www.urducouncil.nic.in

اپریل 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا
نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

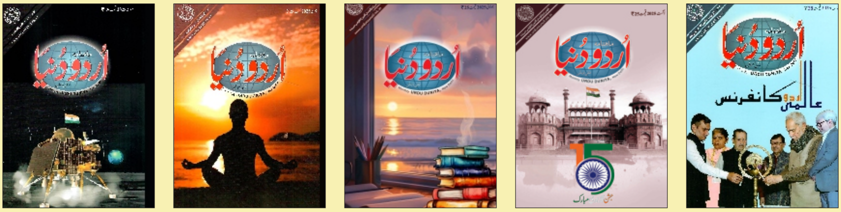

اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق 'خبرنامہ' بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 04 اپریل 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 35151992
شعبہ ادارت: 35152009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا-201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ: -/145 روپے

قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل
اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر
بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت
طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد - 500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
ہڑپا طرز تحریر	اسمٰعیل وفا	07
گوریا	دانش آ کولوی	10
نظمیں		
ہولی ہے	ساحر داؤدنگری	12
عید آئی	معزالدین ماجد	13
پیغام عید	مظہر زاہدی	14
بہت دنوں سے ترا انتظار تھا اے عید	شکیب تائب	15
اپریل	انصار احمد معروفی	16
ایسا کوئی نہیں ہے گلشن میں	مصباح الدین طارق	17
علم کی دولت	عبدالمنان صمدی	18
چابی والا کھلونا	عاتکہ ماہین	19
کہانیاں		
کچھوا اور جادو کی ڈھولک	محمد امین	20
سیفو کو سلام	جیوفری سمرفیلڈ/عطاء الرحمن طارق	25
کیکی	توصیف بریلوی	30
سچ اور جھوٹ	ثمینہ بانو محمد افضال	33
ڈراما		
شکریہ	اظہر افسر	36
باتصویر کہانی		
دوسرا آدمی	قاسم خورشید	40
عالمی یوم کتاب		
کتب خانے اور مطالعے کی تہذیب	وسیم سعید	46
کھیل/کھلاڑی		
ہندوستان انڈر 19 کرکٹ ٹیم کی شاندار فتح	محمد انیس الرحمن خان	48
سائنس		
خلا کا ایک سیاہ ستارہ	شمیم مدنی	51
میڈم کیوری	احرار حسین	54
تعارف و تبصرہ		
انوکھی دوستی	نگار عظیم/محمد شہباز	57
جنرل نالج		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	59
ننھے فنکار		
پینٹنگ		60

نئی روشنی

پیارے بچو!

فکر اور ذہن کو تازہ رکھنے میں کتاب کا کردار بہت اہم ہے، اس سے انسان کی زندگی میں روشنی اور خیالات میں گہرائی پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کتابوں سے حد درجہ دلچسپی نے بہت سے لوگوں کو اپنے میدان کا ماہر بنایا۔ دراصل جب ہم کتابیں پڑھتے ہیں تو ہمارے اندر ایک قسم کی خوشی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہی احساس ہمیں کتابوں کی طرف مائل کرتا ہے، یہیں سے کتابوں کے انتخاب کا مسئلہ بھی سامنے آجاتا ہے۔

ہم اپنی صحت کے لیے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کس وقت ہمیں کون سی دوا لینی ہے اور کتنی لینی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کتابوں کے پڑھنے کا بھی معاملہ ہے۔ اس میں سب سے پہلے ہمارے لیے اپنی دلچسپی کے مطابق کتابوں کا انتخاب ضروری ہے، جس کے لیے کسی استاد یا علمی شخصیت سے رہنمائی حاصل کرنی ہوگی۔ جب ہم رہنمائی حاصل کریں گے تو اس سے ہمیں کئی فائدے ہوں گے۔

ہمارے لیے کون سی کتاب سودمند ہوسکتی ہے، اس کی رہنمائی حاصل ہوگی۔ کب کون سی کتاب کا مطالعہ کرنا ہے یا کس مصنف کو پہلے پڑھنا ہے اور کس کو بعد میں، اس تعلق سے ذہنی تربیت ہوسکے گی۔ ہم کتابیں کیسے پڑھیں؟ کتنا پڑھیں؟ اور چیزوں کو کیسے ذہن میں محفوظ رکھیں اس حوالے سے بھی ہم کو بہترین تجربہ حاصل ہوگا۔

جب ہم ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے منظّم طریقے سے کتابوں کو پڑھنے کے عادی ہوں گے تو ہماری منزل لائبریری قرار پائے گی۔ لائبریری کتابوں کی ایک بڑی دنیا کا نام ہے، جس میں ہم الگ الگ موضوعات کی مختلف کتابوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علم کے الگ الگ شعبوں میں جن لوگوں نے اہم کارنامے انجام دیے ان کا تعلق لائبریری سے بہت ہی مضبوط تھا۔ انھوں نے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اپنے اپنے گھروں میں بھی خوب کتابیں اکٹھا کیں تاکہ وہ اپنے علم کو ہمیشہ تازہ رکھ سکیں۔ اس لیے کہ علم، فکر اور خیال کو پختہ کرنے کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ تازہ رہیں، اس کے لیے ہمیں پڑھنے کی عادت ڈالنی ہوتی ہے، کتابیں پڑھنے کے ساتھ ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم کتابوں کا ایک عمدہ ذخیرہ بھی تیار کریں۔ گنجائش کے مطابق تھوڑے تھوڑے پیسے اکٹھا کرکے اپنی پسند کی کتابیں خریدیں اور ان کو سلیقے سے اپنی الماریوں میں سجائیں تاکہ کتابیں ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ ان پر ہمارے ساتھ دوسروں کی بھی نظریں پڑیں، کیونکہ کتابوں کا نگاہوں سے گذرنا بھی ایک شاندار عمل ہے۔ اس سے جہاں ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے وہیں دوسری طرف ذہن بھی بیدار ہوتا ہے۔ الماریوں میں کتابیں سجا کر لائبریری کی شکل دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم تو فائدہ اٹھائیں گے ہی ساتھ ہی ہمارے بعد آنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرسکیں گے۔ کتاب دوستی اور لائبریری کلچر کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعے موجودہ نسل کے ساتھ آنے والی نسل کی بھی آبیاری ہوسکے۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

بچوں کی دنیا کا شمارہ فروری 2026 باصرہ نواز ہوا۔ بازار سے روپئے دے کر ٹھیلے والے سے خریدا۔ آج پہلی بار خواتین دنیا اور اردو دنیا News agent کے پاس دیکھنے کو ملا۔ بچوں کی دنیا کی 20 کاپیاں موصول ہوتی ہیں۔ اور ہاتھوں ہاتھوں بکتی ہیں۔ ہمارے لیے بچوں کی دنیا عید کا چاند ہو گیا۔ Bio Chemistry اور Zoology پر مبنی D.I.L.T لیباریٹری Technique کے لیے آپ کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ سائنس سے متعلق اداریہ بہترین ہے بلاشبہ عظیم سائنس دانوں نے اپنی محنت اور لگن سے انسانیت کی خدمت کی ہے۔ سائنس داں میری کیوری نے اس میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ بچوں کی دنیا کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ کم قیمت اور زیادہ معلومات سے یہ لیس ہے۔ شمارے میں بادام کے پانچ فوائد، عبدالمجید مکرو کے نام سے شامل ہے بہت شکریہ۔ مضمون سائنس کیا کیوں، کیسے؟ بہت پسند آیا۔ اسکول کے بچوں میں صفائی کی عادتیں جونوی رضا خان کا تحریر کردہ مضمون ہے۔ کافی اچھا ہے ان کو مبارکباد۔

نظم وقت پسند آئی لیکن اس میں ایک غلطی ہے وہ یہ کہ وقت میں گھڑی کا رخ غلط ہے۔ گھڑی کا وقت جب بھی واضح کریں تو 10 : 10 منٹ دکھائیں۔ 9 بج کر 30 منٹ دکھایا ہے جو صحیح نہیں۔ مجھے کھانا دو، بجھا ہوا چراغ، شیر بیتی جیسی تخلیقات اچھی ہیں البتہ پاپڑ والی بڑھیا اس شمارے کی سب سے اچھی کہانی لگی مجھے رتن سنگھ کا داستان گو آیا ہے پسند آیا۔ جنگلوں کو آگ لگنے اور کاٹنے سے ہم مل کر بچائیں۔

آواز توانائی کی ایک شکل، ہوا سے باتیں اور ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی میرے پسندیدہ مشمولات ہیں۔ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات بھی رسالے کا اہم حصہ ہے۔

عبدالمجید مکرو، انت ناگ، جموں وکشمیر

بچوں کی دنیا ماہ فروری 2026 کا شمارہ نظر نواز ہو کر آنکھوں کو خیرہ کر گیا ویسے تو ہر ماہ بچوں کی دنیا ایک مسرت وخوشی کا احساس دلاتا ہے لیکن اس مرتبہ یہ احساس وخوشی دوبالا تھی جس کی وجہ میری ''بولتا شیر'' اور ''پنجرے والی نانی'' کے بعد اس شمارے میں چھپی تیسری کہانی ''کھودا پہاڑ'' تھی جس کے لیے میں مدیر بچوں کی دنیا کا شکرگزار ہوں۔ ساتھ ہی ان تمام قارئین حضرات کا مشکور وممنون ہوں جس نے میری کہانی کھودا پہاڑ کی پسندیدگی وہمت افزائی کا اظہار بذریعے واٹس ایپ وموبائل کیا۔ اس بار بھی بچوں کی دنیا ایک گلدستے کے

مانند اپنے اندر گوناگوں پھولوں کو سجا کر آیا جس میں نظموں، کہانیوں وسائنسی مضامین کے گل وبوٹے سجے ہیں ساتھ ہی ننھے فنکاروں کی فنکاری بھی لاجواب رہی اورتصویری کہانی بھی ۔

شیخ حسین، مقصود کالونی، اورنگ آباد، مہاراشٹر

بچوں کی دنیا کا شمارہ مارچ 2026 ملا، دیکھ کرخوشی ہوئی سرورق کی خوبصورتی اورعمدہ صفحات نے متاثر کیا، اداریہ میں کھیل کے بارے میں اچھی باتیں کی گئیں، جن سے بچوں میں کھیل کے تئیں اچھی سمجھ پیدا ہوسکتی ہے، تمام نظمیں اچھی ہیں لیکن مجھے ذاتی طور پر دونظمیں زیادہ اچھی لگیں ایک سگریٹ نوشی، دوسری سردی میں زردی، سگریٹ نوشی میں سگریٹ کے مضر اثرات سے خوبصورت انداز میں باخبر کیا گیا ہے اورسردی میں زردی انڈے کے فائدے سردی میں کیا ہیں اس کو پیش کرتی ہے کہانیوں کا حصہ بھی میرے لیے کافی خاص رہا ساری کہانیاں ایک خاص پیغام رکھتی ہیں تجسس سے تحقیق تک اس لیے زیادہ اچھی لگی کہ اس میں بہت ہی اچھے انداز میں ایک بڑے سائنس داں کو کہانی کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، جس سے بچوں کو کافی لطف آئے گا اور وہ ابن الہیثم کے بارے میں جان لیں گے مجھے لگتا ہے اس طرح کی کہانیاں لکھی جانی چاہیے، کھیل کھلاڑی والے حصے میں شامل مضمون بھی اچھا ہے، اس طرح کے مضمون کی اشاعت ہوتی رہنی چاہیے تاکہ بچے سبجیکٹو طور پر کھیل کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کرسکیں، میرے لیے اس شمارے کا سب سے اہم حصہ تبصرے والا رہا، مدیر بچوں کی دنیا کی یہ کاوش بہت عمدہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے لیے لکھی گئی کتاب کے تبصرے کے لیے بھی بچی/بچے کا انتخاب کیا ہے، اس سے بچوں میں خوداعتمادی پیدا ہوگی اور وہ اپنی رائے کا برملا اظہار کرنے میں ہچکچائیں گے نہیں۔ مجموعی طور پر رسالہ اچھا لگا۔ اس کے لیے رسالے کے مدیر اوران کی پوری ٹیم کو بہت بہت مبارکباد

شہباز راہی، لال کنواں، دہلی

بچوں کی دنیا مارچ 2026 کا شمارہ نظرنواز ہوا، اداریہ کھیل پر ہے اور اچھا ہے، مضامین بچے اور ان کی قوت برداشت اور ننھے دل، گہرے جذبات اہم ہیں، جن میں بچوں کی نفسیات کے بارے میں بات کی گئی ہے، ان مضامین کو پڑھ کر بچوں کی تربیت میں مدد مل سکتی ہے، پانی کے بغیر زندہ رہنے والے جاندار معلوماتی مضمون ہے، نظمیں اورکہانیاں بھی اچھی ہیں، پتلومیاں، کبوتر کا مٹکا اورتجسس سے تحقیق تک مجھے زیادہ پسند آئیں، نظموں میں سبزیاں، استاد، بچہ اور بستہ، صفائی اچھی نظمیں ہیں، جنرل نالج والا حصہ ہمیشہ کی طرح بہترین ہے، تعارف وتبصرہ والے حصے میں یہ دیکھ کراچھا لگا کہ ایک بچی کا تبصرہ شامل کیا گیا ہے جو بچوں پرلکھی گئی کہانی کی کتاب پر ہے، آگے بھی اس طرح سرگرمیوں میں اگر بچوں کو بھی عملی طور پر شامل کیا جائے تو بہتر ہوگا اس لیے کہ بچے عملی چیزوں سے بہت زیادہ سیکھتے ہیں۔ رسالہ بچوں کی دنیا مارچ overall اچھا ہے۔ اس کے لیے محترم مدیر اوران کی ادارتی ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں

حمدان انور، رام نارائن بازار، کانپور

ہڑپا طرزِ تحریر

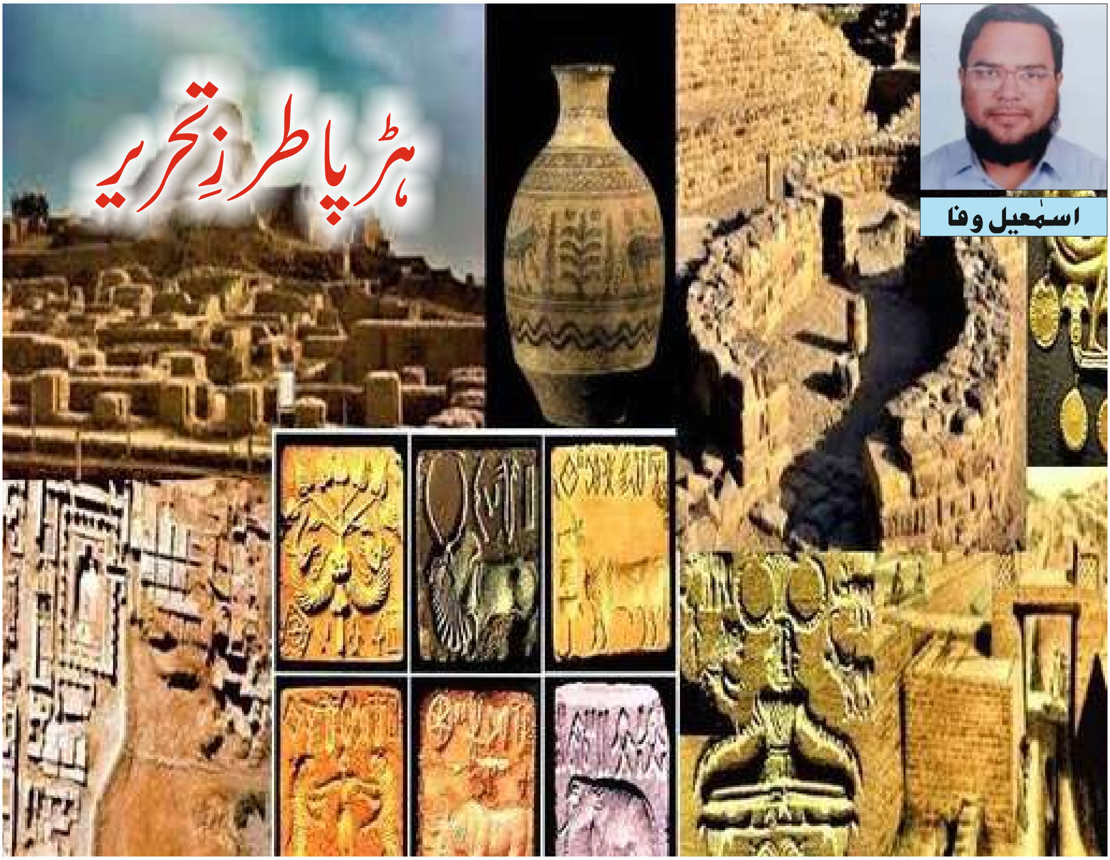

اسمٰعیل وفا

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے پانی کے ذخائر یا دریاؤں کے کنارے رہائش اختیار کی۔ دریائے زرد کے کنارے چین کی تہذیب، دریائے نیل کے کنارے مصری تہذیب اور دریائے سندھ کے کنارے دریائے سندھ کی تہذیب اس قسم کی بہترین مثالیں ہیں۔

بھارت قدیم دور سے آباد ہے اور پھل پھول رہا ہے لیکن اس کی قدامت کے ثبوت ملنا اس قدر آسان نہ تھا۔ 1820 کے دہے میں برطانوی فوج کے سپاہی Charles Masson نے پنجاب، بلوچستان اور افغانستان کے علاقوں کا دورہ کیا اور اپنے مشاہدات پر مشتمل Narrative of Various Journeys in Baluchistan, Afghanistan and the Punjab تحریر کی۔ اس تحریر میں اس نے قدیم اینٹوں کے مشاہدے کا ذکر کیا جس کی بنیاد پر اندازہ ہوگیا کہ وہاں کسی قدیم بستی کے باقیات دریافت ہوسکتے ہیں۔ بعد میں باقیات کے تحفظ کے لیے ایک ادارہ بنام ’آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا‘ کا قیام عمل میں آیا جس نے اس سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اسی ادارے کے اولین ڈائرکٹر سر الیگزینڈر کننگھم نے 1872-73 میں ان علاقوں کا دورہ کیا۔ اس قدیم بستی کی دریافت کا سہرا رائے بہادر دیا رام ساہنی کے سر ہے جن کی سربراہی میں 1921 میں ہوئی

کھدائی سے ایک دفن شدہ شہر دریافت ہوا۔

بھارت کے شمال مغربی حصے میں اس نوع کی کئی اور جگہیں دریافت ہوئیں جنھیں مجموعی طور پر وادی سندھ کی تہذیب پکارا گیا۔ خصوصاً اس کے شہر ہڑپا میں ترقی یافتہ تہذیب نظر آتی ہے۔ یہاں منصوبہ بند شہری آبادکاری کے باقیات دریافت ہوئے۔ اس شہر میں پختہ اینٹوں کے مکانات تعمیر کیے گئے تھے۔ ساتھ ہی یہاں بڑے عوامی ڈھانچے مثلاً عظیم حمام (Great Bath) کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا رہن سہن اس زمانے کے اعتبار سے اعلیٰ اور ترقی یافتہ تھا۔ باقیات سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے پاس معیاری پیمانے موجود تھے۔ شہر میں کشادہ سڑکیں، دو منزلہ عمارتیں اور پانی کی نکاسی کے لیے نالیوں کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے حفظان صحت کو بھی اہمیت دی۔

اس شہر کے باقیات میں بچوں کی تفریح کے لیے کھلونے اور عورتوں کے سنگھار کے سامان وغیرہ کی موجودگی دلیل ہیں کہ اس تہذیب نے اس وقت ترقی حاصل کی جس وقت دنیا کے دیگر علاقے پسماندہ تھے۔ لیکن اس تہذیب سے متعلق یہ تمام معلومات قیاس کا درجہ رکھتی ہیں کیونکہ ان علاقوں میں دریافت شدہ تحریر اب تک پڑھی نہیں جاسکی۔

طرزِ تحریر

انسان کی نہایت اہم ایجادات میں سے ایک فنِ تحریر ہے۔ نقطے، لکیریں اور ان کی مختلف شکلوں سے وجود میں آنے والے الفاظ وحرکات سے ہزاروں سال قبل کے لوگوں کے مافی الضمیر کو سمجھنا اپنے آپ میں بہت اہم کام ہے۔ مختلف ممالک کی تہذیبی تاریخ وہاں موجود طرز تحریر کی بدولت سمجھ میں آتی ہے۔ ساتھ ہی کئی ممالک کی تہذیبی تاریخ کی تدوین کے وقت Rosetta Stone کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ Rosetta Stone دراصل پتھر کی ایک بڑی سل ہے جس پر ایک ہی اقتباس تین مختلف زبانوں مصر کی قدیم زبان، مصر کی مقبول زبان اور قدیم یونانی زبان میں موجود ہے۔ اسے جولائی 1799 میں فرانسیسی سپاہیوں نے مصر میں دریافت کیا تھا۔ دراصل یہ تحریر 196 ق م میں نصب کی گئی جس میں بادشاہ پلومی پنجم کے کارناموں اور اس کی تاجپوشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پتھر کو فرانسیسیوں کی شکست کے بعد 1802 میں برٹش میوزیم، لندن میں رکھا گیا۔ اس پتھر کی موجودگی کی وجہ سے ہی قدیم مصری تہذیب کو سمجھنا ممکن ہوسکا۔

ہڑپا طرز تحریر

ہڑپا کی طرز تحریر اپنے آپ میں بہت مختلف ہے۔ معاصر تہذیبوں مثلاً چینی مصری اور یونانی تہذیبوں میں بھی کوئی تحریر اس طرح برآمد نہیں ہوسکی جو اس سلسلے میں رہنمائی کرے۔ ماہرین کی بڑی تعداد نے اس قضیے کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن ہر ایک کا نتیجہ الگ اور فیصلہ مختلف ہے۔

اس میں انسانوں اور مختلف جانوروں کی شکلیں استعمال کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں مختلف علامات اور نشانیاں بھی موجود ہیں۔ تجریدی اشکال کی موجودگی اور مختلف مناظر کی پیشکش مثلاً ایک مچھلی اور تیر کمان پڑے ہوئے ایک آدمی وغیرہ اس طرز تحریر کو اور مشکل بنا دیتے ہیں۔ 140 مقامات اور 4000 مختلف اشیا پر موجود تحریر، 42

مختلف بنیادی نشانات پر مشتمل ہے اور ماہرین کے مطابق 544 متغیر شکلیں (Variants) اور 1521 مرکب الفاظ (Composite Forms) ہمارے سامنے آتے ہیں۔

بھارتی ماہر آثار قدیمہ ایس آر راؤ نے اس تحریر کے صوتی پہلو کو پڑھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کا کام اگرچہ مکمل طور پر قبول نہیں کیا گیا لیکن انھوں نے اس پر کافی تحقیق کی۔ ان کی کتابیں Lothal & The Indus Civilization (1973) اور The Decipherment of the Indus Script, 1982 شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے مطابق 62 مختلف علامتیں موجود ہیں جبکہ فن لینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک معروف انڈ ولوجسٹ Asko Parpola نے 452 علامتیں بتائیں ہیں۔ وہ 1960 کی دہائی سے اس اسکرپٹ پر کام کر رہے ہیں۔ ان کا شمار اس شعبے کے سنجیدہ اور محتاط محققین میں ہوتا ہے جبکہ ایک کتبات کے ماہر (Epigrepher) برائن ویلس (Bryan Wells) کے مطابق 676 علامتیں موجود ہیں۔

وادیٔ سندھ کی ہڑپا طرز تحریر میں اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ یہ چینی زبان کی طرز کی ایسی تحریر ہو جہاں شکلوں کے ذریعے الفاظ کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ ہڑپا میں الفاظ کے لیے اوسطاً پانچ علامتوں کا استعمال کیا گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ چھبیس علامتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس تحریر سے متعلق ماہرین کا ایک گروہ یہ بھی مانتا ہے کہ یہ کوئی زبان نہیں بلکہ ایک علامتی زبان ہے جس طرح آج بھی دھوبی کپڑوں کو علاحدہ رکھنے کے لیے اس پر مختلف علامتوں کا استعمال کرتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ اس بات کو بھی مانتا ہے کہ یہ علامتیں مخصوص مجموعہ الفاظ کی نمائندگی کرتی ہیں جبکہ ماہرین آثار قدیمہ پتھر پر کھدی ان تحریروں کو ٹیکس اسٹیمپ یا ٹیکس پرمٹ کے طور پر بھی دیکھتے ہیں۔ عام طور پر یہ مانا جا رہا ہے کہ یہ تحریر دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہوں گی لیکن ساتھ ہی اس کا بھی امکان موجود ہے کہ یہ Boustrophedon طرز پر لکھی گئی ہوگی جس کی پہلی لائن دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھی اور اگلی سطر میں سمت بدل کر بائیں سے دائیں لکھی جاتی تھی۔

بہرحال ہڑپا طرز تحریر سے متعلق قضیہ اب تک حل نہیں ہو سکا۔ حتیٰ کہ جنوری 2025 میں چنئی تمل ناڈو کی ایک سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس کے موقع پر تامل ناڈو ڈپارٹمنٹ آف آرکیالوجی کی جانب سے شائع شدہ کتاب Indus Signs and Graffiti Marks of Tamil Nadu کے اجرا کے موقع پر وزیر اعلیٰ تامل ناڈو ایم کے اسٹالن نے ہڑپا طرز تحریر کا معمہ حل کرنے کے لیے ایک ملین ڈالر کے انعام کا اعلان کیا۔ اگر یہ طرز تحریر قابل فہم ہو جاتی ہے تو یہ وادی سندھ کی تہذیب کے سماجی ڈھانچے، مذہب، اقتصادی نظام اور دیگر نامعلوم پہلوؤں سے متعلق بے پناہ معلومات فراہم کرے گی اور یہ جنوبی ایشیا کی قدیم تاریخ کو مکمل طور پر دوبارہ لکھنے کے مترادف ہو سکتی ہے۔

■

Ismail Wafa
S.No: 114/1-4, Plot No.: 91
Near Pawarwadi Police Station
Pawarwadi
Malegaon- 423203 (Maharashtra)
Mob.: 8857959406

دانش آکولوی

گوریا

اس دن آنگن میں اچانک کہیں سے گوریا آ گئی تھی ’’ارے گوریا‘‘! میرے منھ سے بے اختیار یہ جملہ نکلا۔ میرے لیے حیرانی بھی تھی اور خوشی بھی۔ آخر ایک بہت لمبے عرصے کے بعد وہ نظر آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد چڑا بھی آ گیا۔ دونوں آتے ہی اپنے مطلب کی چیزیں چگنے میں مصروف ہو گئے، بچپن والی اس چڑیا کو میں بہت اشتیاق سے دیکھ رہا تھا مگر وہ بہت دیر تک رکی نہیں بلکہ کچھ ہی وقت کے بعد دونوں پھر سے اڑ کر نظروں سے اوجھل ہو گئے— دونوں کو جاتا دیکھ کر برا لگا اور لگنا بھی چاہیے کیونکہ میرے بچپن کی کتنی یادیں اس سے وابستہ ہیں۔

بچو! میں نہیں جانتا کہ تم گوریا سے کتنی واقفیت رکھتے ہو! پر ہاں مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان کے بارے میں تم جاننا ضرور چاہو گے۔

کچھ بتانا چاہوں تو سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا بتاؤں؟... کون سی بات بتاؤں...؟ سائنس کے نقطۂ نظر سے اور ماحولیات میں ان کا کیا اور کتنا اہم کردار ہے اس پر بھی تو بہت طویل باتیں کی جاسکتی ہیں مگر اس تعلق سے معلومات تو تم اپنی درسی کتابوں سے حاصل کر ہی لوگے مگر انسان کی اس دور کی زندگی میں اس کا کیا کردار رہا ہے اس کو ضرور بیان کرنا چاہوں گا اس دور کو جو میں نے اور میرے دور کے ہر شخص نے دیکھا ہے۔

اس دور میں گوریائیں بہت ہوا کرتی تھیں بستیوں سے میدان کھیت کھلیانوں تک ہر جگہ اس کی بہتات تھی، گھروں کے آنگنوں کی تو وہ رانی تھی اور برآمدوں کی زینت! جہاں دوسرے پرندے انسانوں کے قریب آنا دور اس کے سائے سے بھی دور بھاگتے۔ یہ انسانی آبادی میں بہت گھلی ملی ہوئی تھی۔

بارہ بجے جب اسکول کی چھٹی کے بعد میں گھر آتا تو ڈھیر ساری گوریائیں خوش آمدید کہتی ہوئی گھر پر موجود ہوتیں پورا گھر ان کی چہچہاہٹ سے گونج رہا ہوتا جب سے ہوش سنبھالا انھیں ہی دیکھا تھا۔ انھی میں میرا بچپن گزرا اسی لیے مجھے گوریا بہت اچھی لگتی تھی، چھوٹی سی ننھی معصوم چڑیا... اس کا دانے یا کیڑے مکوڑوں کی تلاش میں پورے آنگن تن تن پھدکتے ہوئے گھومنا میرے لیے بہت پرکشش تھا اور خاص طور پر سردیوں کی پیلی دھوپ میں اس کی مستیاں دیکھنے لائق ہوتیں۔ وہ ریت اور مٹی میں گول گول گھیرا بنا کر خوب لوٹتی۔ میں بڑے غور سے یہ سب دیکھتا اور حیران ہوتا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں، پوچھنے پر بڑے بتاتے ہیں کہ ایسا کر کے وہ خود کو جراثیم سے پاک کرتی ہیں جو ان کے پروں وغیرہ میں ہو جاتے ہیں وہ پانی کی جگہ مٹی سے خود کو صاف کرتی ہیں وجہ جان کر مجھے گوریاؤں میں اور بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اس پیاری سی چڑیا سے انسانوں کا رشتہ بہت قریبی تھا وہ انسانوں کے ساتھ رہنا سیکھ چکی تھی اور انھیں بہت فائدہ بھی پہنچاتی وہ کھیتوں کے کیڑے جو فصلوں کو بے پناہ نقصان پہنچاتے

ہیں انھیں وہ پکڑ کر اپنے بچوں کے لیے لے جاتی۔ یوں کھیت ان کے نقصانات سے محفوظ رہتے اس کے علاوہ گھروں بستیوں میں بھی پڑے فاضل غذا اناج، روٹی، چاول، دالیں جنھیں اکثر ہم پھینک دیتے ہیں ان کی غذا بن جاتی اور یوں ماحول میں صفائی برقرار رہتی ایسے ہی بیسیوں فائدے انسانی زندگی کو ان سے تھے چنانچہ لوگ بھی اسے پیار کرتے چھت آنگنوں میں ان کے لیے دانے یا ابلے ہوئے چاول وغیرہ رکھتے اور گرمیوں میں پانی کا کٹورہ بالکونی وغیرہ میں ضرور رکھا کرتے تھے حالانکہ مزے کی بات یہ کہ زیادہ تر لوگوں کو ان کا نام بھی نہیں پتہ تھا ہم انھیں گھریلو چڑیا وغیرہ کہہ کر پکارتے بچوں کے لیے تو وہ پسندیدہ تھی وہ ان کے پیچھے پیچھے خوب بھاگتے تھے چنانچہ وہ سارا دن ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر، پھررررر... پھررر... کھڑکیوں کی گریل پر لمحے بہ لمحے آ بیٹھتی بلکہ دن بھر ایک دو دفعہ کمرے میں آنا ان کے لیے معمولی بات تھی ادھر مادہ تو وہیں کہیں نر کمرے میں دکھ ہی جاتا تھا کچھ دیر بعد پھرررر سے اڑ جاتی مگر پھر کوئی دوسری آ جاتی عموماً چونچ میں گھاس کا تنکا لیے پنکھے کے اوپر گھونسلہ بنانے کی ان کی پہلی کوشش ہوتی پتہ نہیں انھیں پنکھوں کے اوپر گھونسلہ بنانا اتنا کیوں پسند تھا ویسے ان کا اس طرح کمروں میں آنا سب کو بہت اچھا لگتا بتائیے! اور کوئی ہے ایسی چڑیا جو سیدھے انسانوں کے گھروں، کمروں میں ایسے بے دھڑک آ جاتی ہو؟ نہیں نا اسی لیے تو وہ اپنے آپ میں ایک انوکھی چڑیا تھی!

شام کے وقت جب ہم سب بچے محلوں، گلیوں میں کھیلتے تو وہ بھی سب جگہ کھیت میدانوں جنگلوں جانے کہاں کہاں سے جمع ہو کر اوپر بجلی کے تاروں پر جمع ہو جاتی اور جمع ہو کر ایک لمبی سی قطار میں بیٹھ کر خوب آپس میں نہ جانے کیا کیا باتیں کر لیتی تھیں کوئی کہتا کہ ان کی میٹنگ ہو رہی ہے تو کوئی مذاقاً کہتا کہ ان کے یہاں شادی ہو رہی ہے اور پھر اندھیرا ہوتے ہی پیڑوں یا ٹین کے شیڈ کے نیچے وہیں کہیں وہ معصوم گھس کر سو جاتی! وہیں کہیں ان کا گھر آشیانہ تھا اور کہاں جاتی۔

اس روز کے معمول میں اتنی جلدی تبدیلی آ جائے گی، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ نہیں معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ میری یہ بچپن والی چڑیا دیکھتے ہی دیکھتے ایسے اوجھل ہو جائے گی کہ آنکھیں ترس جائیں گی کہ ڈھونڈنے سے بھی جلدی نا دکھے۔ پہلے تو یوں جاتی اور یوں آ جاتی تھی مگر اب وہ واپس ہی نہیں آ رہی ہیں۔

آنگن اب سونے رہتے ہیں کھڑکیوں کی گریل پر ہر تھوڑی دیر بعد کوئی چڑیا اندر نہیں آتی ہے۔

اکثر چیزوں کی اہمیت ان کے کھو جانے کے بعد ہی پتہ چلتی ہے یہاں بھی وہی ہوا جب تک وہ رہیں کبھی ان کی قدر نہیں کی اور اب دیکھو ان کا انتظار ہی انتظار ہے۔ ہاں کبھی دکھ جائے تو خبر بن جاتی ہے ارے دیکھو۔ دیکھو—— وہ—— بچپن والی چڑیا! لمبا وقت ہو گیا ہے اسے دیکھے—— کل تک غول کے غول اور آج ندارد۔

جب بھی اپنے بچپن کو یاد کرتا ہوں وہ پھدکتی ہوئی معصوم چڑیا یاد آ جاتی ہے۔

■

Danish Akolvi
Pink Palace, Bypass, Washim Road, Akola
Disst: Akola-444002 (Maharashtra)
Mob.: 7720061250
danishahmed9784@gmail.com

ساحر داؤدنگری

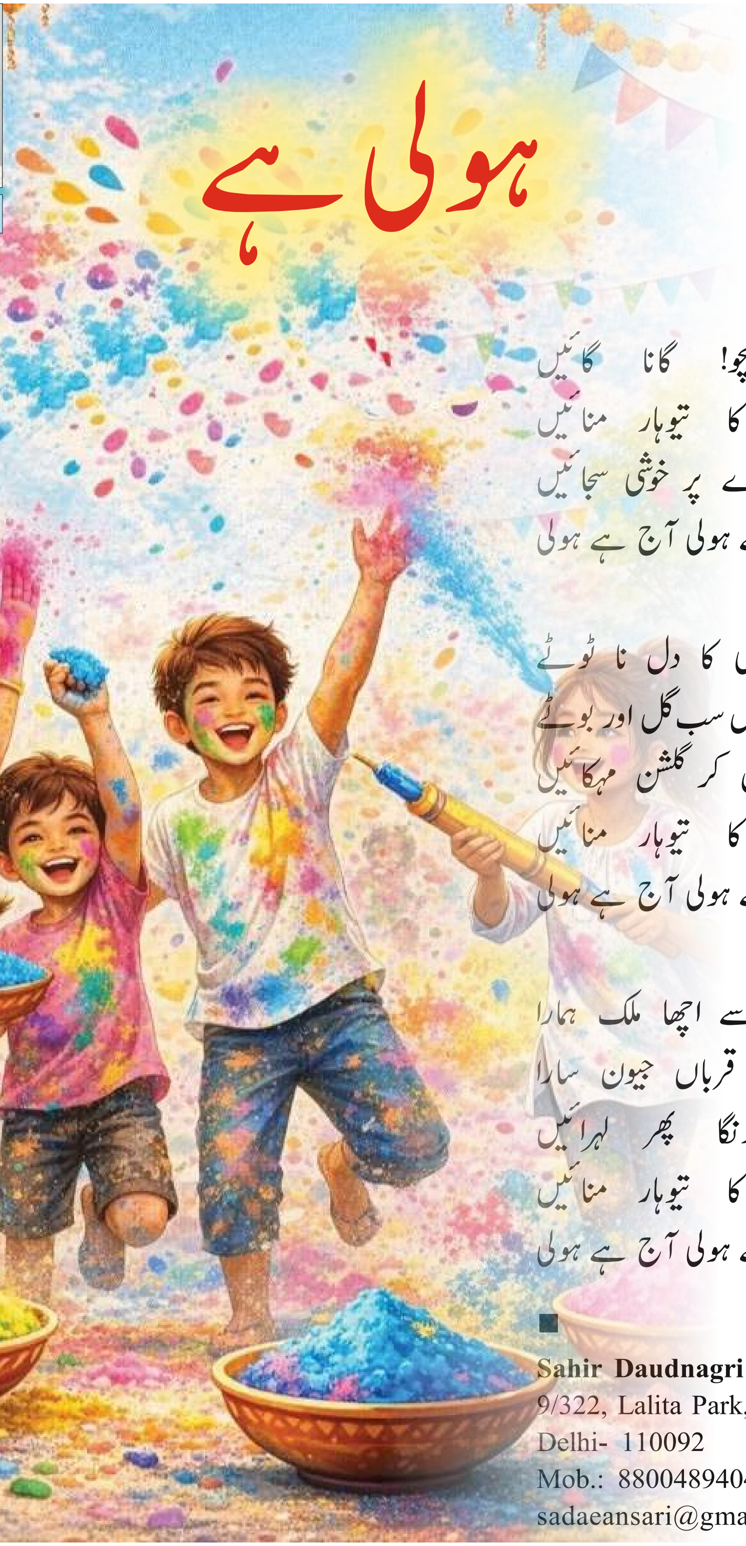

ہولی ہے

آؤ بچو! گانا گائیں
رنگوں کا تیوہار منائیں
ہر چہرے پر خوشی سجائیں
آج ہے ہولی آج ہے ہولی

دیکھو کسی کا دل نا ٹوٹے
ہنستے رہیں سب گل اور بوٹے
مل جل کر گلشن مہکائیں
رنگوں کا تیوہار منائیں
آج ہے ہولی آج ہے ہولی

سب سے اچھا ملک ہمارا
اس پہ قرباں جیون سارا
اپنا ترنگا پھر لہرائیں
رنگوں کا تیوہار منائیں
آج ہے ہولی آج ہے ہولی

■

Sahir Daudnagri
9/322, Lalita Park, Laxmi Nagar
Delhi- 110092
Mob.: 8800489404
sadaeansari@gmail.com

عید آئی عید آئی
گھر گھر میں یہ خوشیاں لائی
آؤ سب کے گھر چلیں
خوشی منائیں عید ملیں

روزہ داروں کے چہروں پر
دیکھو کیسی رونق چھائی
دیکھو کوئی چھوٹ نہ جائے
غربا کا دل ٹوٹ نہ جائے

جس نے نیک کام کیا ہے
اللہ نے انعام دیا ہے
پیغام پیار وفا کا ہے
یہی ایمان ہمارا ہے

امی ابو باجی اپی
گڈو پپو ببلو ببلی

■

Moizuddin 'Majid'
152 B/7D, Wasiabad (Sadiyapur)
Allahabad - 211016 (UP)
Mob.: 6393219690
majid.allahabadi@gmail.com

پیغام عید

مظہر زاھدی

چراغِ محبت جلاتی ہے عید
دلوں سے کدورت مٹاتی ہے عید

فضا کو سہانی بناتی ہے عید
ہمیں درس الفت سکھاتی ہے عید

مہ عید ہنستا ہے جب چرخ پر
تری یاد مجھ کو دلاتی ہے عید

گلے دشمنوں کو لگائیں نہ کیوں
یہ آپس کی رنجش مٹاتی ہے عید

مہکتے ہیں بچے گلوں کی طرح
معطر فضا کو بناتی ہے عید

بڑے چھوٹے سب شادماں آج ہیں
مسرت دلوں میں جگاتی ہے عید

خوشی کا ہر اک سمت ماحول ہے
دلوں سے غموں کو مٹاتی ہے عید

ہو ہندو کہ مسلم یا سکھ ہو کوئی
دلوں کو دلوں سے ملاتی ہے عید

تعصب جو تھا ڈھل گیا پیار میں
عداوت کی دیوار ڈھاتی ہے عید

دلوں میں جو تھیں نفرتیں مٹ گئیں
محبت کا پیغام لاتی ہے عید

ادا تم کرو شکر رمضان کا
جو اس ماہ کے بعد آتی ہے عید

کرو غور مظہر کی اس نظم پر
مرے بچو کیا کیا سکھاتی ہے عید

■

Dr. Mazhar Iqbal Zahidi
S/O Qamar Zahidi
At- Alamganj, Loharwa Ghat Lane
P.O: Gulzar bagh
Patna- 800007 (Bihar)
Mob.: 9934419620
dr.m.zahidi@gmail.com

نظمیں

شکیب تائب

بہت دنوں سے ترا انتظار تھا اے عید

ترے فراق میں ہر روزہ دار تھا اے عید
بہت دنوں سے ترا انتظار تھا اے عید
دِکھا تھا غرّۂ شوّال جب فلک پہ وہ پل
بتاؤں کیسے بہت خوش گوار تھا اے عید
وہ چاند رات کا منظر، چہل پہل، رونق
وہ شان دار، بہت شان دار تھا اے عید
وہ اس کی عید کہ جس کو غریب کہتے ہیں
وہ اس کی عید کہ جو قرض دار تھا اے عید
یہ سیف اور یہ اکرم بھی منتظِر تھے ترے
انس بھی تیرے لیے بے قرار تھا اے عید
نہ پوچھ کتنی خوشی ہے ''شکیب تائب'' کو
کہ کر رہا یہ دنوں کا شمار تھا اے عید

■

MOhammad Shakeb S/O Shamshad Ahmad
Kanchan Gali, Madan Pura, Chiraiyakoat Road
Maunath Bhanjan, Mau, Uttar Pradesh 275101
Mob No : 8765994184
Email : mohammadshakeb74@gmail.com

انصار احمد معروفی

اپریل

گرم چلی ہے ہوا اپریل سے
کھاتہ کھلتا ہے نیا اپریل سے
بدلا موسم نے مزاج اتنا کہ بس
چڑھ گیا گرمی کا وہ پارہ کہ بس
سب کے لب پر ہائے ہائے مچ گئی
اور صف ماتم ہر اک سو بچھ گئی
گھر سے باہر نکلے چہرہ ڈھانپ کر
شدت گرمی، تپش کو بھانپ کر
لو سے چہرے کو چھپانے کے لیے
خود کو گرمی سے بچانے کے لیے
ہم کو ہر موسم سے لڑنا چاہیے
اور بچاؤ اپنا کرنا چاہیے
جس نے موسم کا نہیں سمجھا مزاج
اس کے سر سے چھن گیا صحت کا تاج
گیہوں اس موسم میں پکنے لگتے ہیں
پیلے پیلے، سونے جیسے لگتے ہیں
کس قدر سونا اگلتی ہے زمیں
مفت میں سب چیز دیتی ہے زمیں
دن گیا، ہفتہ گیا، اور آیا ماہ
زندگی کیا ہے یہ سوچو گاہ گاہ!
زندگی کے دن یوں ہی کٹتے رہے
موت سے نزدیک سب ہوتے رہے

■

ماخذ: یہ مہینے اور موسم، **مصنف:** انصار احمد معروفی، **پہلی اشاعت:** 2018، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مصباح الدین طارق

ایسا کوئی نہیں ہے گلشن میں

گُل کھلا ہے جو میرے دامن میں
ایسا کوئی نہیں ہے گلشن میں

گھر میں ہرسو نشاط کا عالم
بختِ مسعود جاگا ہے پیہم

نام ریّان ہے رکھا اس کا
رب بھی رتبہ کرے بڑا اس کا

دادی پھوپھی بھی دیکھنے آئیں
ساتھ کپڑے، کھلونے بھی لائیں

غوں غوں کرکر کے جب یہ بولے گا
اک نیا باب زیست کھولے گا

گھر کے ہر فرد کو یہ پیارا ہے
امی ابو کا یہ دُلارا ہے

چہرہ تو ماہتاب جیسا ہے
لب بھی اس کا گلاب جیسا ہے

نانا نانی کی آنکھ کا تارا
عذرا، عظمیٰ کو دل سے ہے پیارا

رب کرے علم و فضل میں کامل
جس سے روشن ہو اس کا مستقبل

■

Misbahuddin 'Tariq'
At+P.O: Luxmipur, Via-Chakand
Gaya- 804404 (Bihar)
Mob.: 9801996877

عبدالمنان صمدی

علم کی دولت

دنیا بھر میں ان کی شہرت
پاس ہے جن کے علم کی دولت
نام ہے ان کا ہر سو روشن
چہرہ جن کا علم کا درپن
ان کا ہوگا ہرسو چرچا
پاس ہے جن کے علم کا پرچا
دنیا کرتی ان کی عزت
ہوتی جن کو علم سے رغبت
نمبر اس کے سب سے اعلیٰ
جو ہے بچہ پڑھنے والا
لکھنا پڑھنا اچھا بننا
علم کو سب سے اونچا رکھنا
بچو! تم بھی بات یہ مانو
علم کو سب سے بہتر جانو
علم کی کنجی ہاتھ میں رکھنا
علم سے اپنا دامن بھرنا

■

Abdul Mannan Samadi
2939, Gali 05,Tayyab Colony Koil
Aligarh- 202001 (UP)
Mob.: 9286300994
abdulmannansamadi123@gmail.com

چابی والا کھلونا

عاتکہ ماہین

لال، ہرا اور نیلا، پیلا
میرا ایک کھلونا ہے
ممی چابی کس دیتی ہے
گول گول وہ گھومتا ہے
لال، ہرا اور نیلا، پیلا
میرا ایک کھلونا ہے
اس میں بیٹھی اک چڑیا ہے
اس کا رنگ گلابی ہے
گول گول جب گھومتا ہے
وہ چوں چوں چوں چوں کرتی ہے
لال، ہرا اور نیلا، پیلا
میرا ایک کھلونا ہے
میری پھوپھو آئی تھیں
کلکتے سے لائی تھیں

لال، ہرا اور نیلا، پیلا
میرا ایک کھلونا ہے
جب میں رونے لگتا ہوں
ممی کو تنگ کرتا ہوں
ممی چابی کس دیتی ہے
میں فوراً ہنس دیتا ہوں
لال، ہرا اور نیلا، پیلا
میرا ایک کھلونا ہے

■

Atika Maheen
D/O Mohammad Murtaza Husain
Azam and Company, Near Union Bank
Civil Lines Bilthara Road
Ballia-221715 (UP)
Mob.: 8171985485
atikaamahin@gmail.com

محمد امین

کچھوا اور جادو کی ڈھولک

جنوبی سوڈان کے ایک گاؤں میں خوشی کے نقارے بج رہے تھے۔ باجے کی آواز گاؤں کے سرے پر واقع اُس ڈھولک گھر سے آرہی تھی جو رنگ و محفل منعقد کرنے اور اُس کا اعلان کرنے کے لیے مخصوص تھا۔

دادی اماں نے اپنی پوتی اور پوتے سے کہا ”سُن رہے ہو۔ عیسیٰ سردار کی نئی ڈھولک بجا رہا ہے۔“

باجے کی آواز سُن کر پوتی گنگنانے اور ناچنے لگی۔ پوتے نے لکڑی کے دو ڈنڈے لے کر انھیں زمین پر پیٹ پیٹ کر بجانا شروع کر دیا۔ اور گانا گانے کی تیاری شروع کر دی۔ ڈھولک کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ گاؤں میں جشن ہے اور اس دن سہ پہر میں بلکہ اس کے بعد تک ڈھولک کی آواز سنائی دیتی رہی تا کہ سب کو اطلاع ہو جائے کہ آج دعوت ہے۔

یہ گاؤں جنوبی سوڈان کے جنگلی علاقے میں واقع تھا۔ قصبے سے بہت دور۔ گاؤں میں سب اَن پڑھ تھے اور ڈھولک ہی کے ذریعہ وہ اعلان کرانا چاہتے تھے۔

”آج دعوت میں کون سی ڈھولک عیسیٰ بجائے گا دادی!“ لڑکے کو پہلے کی بات یاد آئی جب کہ اُس نے سردار کے یہاں دعوت کھائی تھی۔ ”کیا نئی ڈھولک بجے گی یا شاید پرانی کو عیسیٰ بجائے گا؟“

سردار کے گھر میں ڈھولک کئی طرح کی تھیں۔ جو سب سے بڑی تھی وہ بجتی تو معلوم ہوتا کوئی گرج رہا ہے۔ جو اوسط درجے کی تھی اُس سے گرج دار آواز کے بجائے ذرا ہلکی آواز نکلتی اور جو سب سے چھوٹی تھی اُس کو بجانے

سے معلوم ہوتا کہ کوئی کانا پھوسی کر رہا ہے۔

دادی اماں نے جواب دیا ”میرے بیٹے پتہ نہیں کون سی ڈھولک ہوگی لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر جادو والی یعنی بہادر عدو کی ڈھولک ہے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت شاندار ہے۔“

دادی اماں کا موڈ کہانی سنانے کا تھا۔ یہ دیکھتے ہی لڑکا خاموش ہو گیا۔ لڑکی نے گانا بند کر دیا۔ دوسرے بچے بھی خاموش ہو گئے۔ پھر دادی اماں نے شکر قند کی کھیر والی ہنڈیاں کو چلاتے ہوئے کہانی شروع کی۔

عدو ایک بڑا سردار تھا۔ اُس کے زمانے میں جانور اور انسان میں فرق نہیں تھا۔ جانوروں کو انسان اپنے بھائی سمجھتے تھے۔ جُو جُو ایک جادو کی آواز تھی۔ درختوں کی شاخ، دریاؤں کی روانی ہر جگہ سے جُو جُو کی آواز سنی جا سکتی تھی۔

عدو سردار اُس جُو جُو کی آواز کا مالک تھا۔ وہ اُس کی بڑی قدر کرتا۔ جو کھانا پکتا اُس میں سے جُو جُو کے حصے کا الگ برتن میں رکھ کر درخت کی جڑ میں عدو بھیج دیتا۔ وہیں ایک لکڑی کا بت تھا۔ بہر حال گاؤں میں سب پر بڑا رعب تھا کہ سردار کے پاس جادو ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ سردار عدو اپنی ڈھولک پر نئی کھال منڈھ رہا تھا۔ جب اُس کی نسیں کس گئیں تو سردار نے اُس ڈھولک کو بجا کر جو پہلا گیت گایا وہ جُو جُو کی تعریف میں تھا۔ اس طرح جُو جُو بہت خوش ہو گیا۔

درخت جُو جُو کی آواز آئی ”عدو! واقعی تم اچھے ہو۔ اس ڈھولک کے ذریعہ جادو کا ایک نیا تحفہ ہم تمھیں پیش کرتے ہیں۔ جب بھی تم اُسے بجاؤ گے کھانے کے لیے جو چیز بھی تمھیں چاہیے اور جتنی چاہیے وہ خود بہ خود حاضر ہو جائے گی۔ پینے کے لیے شربت یا جو بھی مشروب چاہیے وہ مہیا ہو جائے گا۔“

سردار خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے سوچا ”واقعی یہ تو بڑا اچھا جادو ہے لیکن کیا یہ سچ ہے؟ ڈھولک بجا کر اُس نے فوراً آزمایا۔ اور یہ کہا کہ میرے گھر بھر کے لیے شکر قند کا حلوہ آ جانا چاہیے اور حقیقتاً درخت کی جڑ کے پاس ایک بڑے برتن میں شکر قند کا حلوہ بھرا پڑا تھا۔ چکھنے پر معلوم ہوا کہ کتنا میٹھا ہے اور کس قدر مزے دار۔ ایسا ہی جیسا کہ سردار کی بیویاں خود اپنے ہاتھوں سے بناتی تھیں۔

اس کے بعد سے یہ معمول بن گیا۔ جب بھی جی چاہتا وہ جُو جُو کی ڈھولک بجا کر شکر قند کا حلوہ منگا لیتا اور پھر اس کے خاندان کے لیے وہ کافی ہوتا۔ روزانہ جُو جُو کا شکریہ ادا کرنا بھی وہ نہیں بھولتا۔

سردار عدو حقیقتاً ایک ملنسار اور دوست نواز انسان تھا۔ لڑنا جھگڑنا اُسے اچھا نہیں لگتا۔ تو تو مَیں مَیں میں کبھی کسی پڑوسی سے وہ پہل نہیں کرتا اگر چہ دوسرے سردار لڑنے سے باز نہیں آتے۔ کبھی کبھی آنا فانا نئے اور عجیب عجیب جنگجو آ جاتے اور اپنے تیر وکمان سے عدو کے گاؤں پر ٹوٹ پڑتے۔ ہزاروں آدمی زخمی ہوتے بہت سے مر بھی جاتے۔

ایک بار جب اُس کے گاؤں پر اچانک کسی دشمن نے حملہ کر دیا تو عدو نے نئی ترکیب سے وہ جنگ جیتی۔ دشمن کے مقابلے کے لیے وہ اپنی جادو کی ڈھولک لے کر آگے بڑھا۔ حملہ کرنے سے پہلے اُس نے ڈھولک پر ہاتھ مارا اور منٹوں میں دشمن کے سامنے ایک شاندار دعوت کا انتظام ہو گیا۔ برتنوں میں شکر قند کی کھیر بھری ہوئی اور تاڑ کی جڑیں اور اُبلی ہوئی ڈھیروں مونگ پھلی۔ یہ سماں

دیکھتے ہی حملہ آور کھانے پر پل پڑے۔ بھلا کس کو معلوم تھا کہ کھانے کی اتنی بہتات ہے۔ کھانے میں اُنھیں ایسا مزہ آیا کہ وہ لڑنا بھڑنا بھول گئے۔ کھانا کھا کر اُن کے پیٹ اتنے بھر گئے اور وہ اس قدر آسودہ ہو گئے کہ اب بھلا لڑنے کی چاہ کہاں۔ اُنھوں نے کہا ”یہ سردار کتنا اچھا ہے۔ جب اُس نے ہمیں اتنا عمدہ اور جی بھر کر کھانا کھلایا تو بھلا اس کے خلاف ہم کیوں لڑیں۔“

جادو کی ڈھولک میں ایک راز تھا۔ عدو کو یہ راز معلوم تھا۔ جُو جُو نے اُسے بتا دیا تھا لیکن عدو نے یہ راز کسی اور کو نہیں بتایا تھا یہاں تک کہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی اُس نے نہیں بتایا تھا۔

راز یہ تھا کہ بجاتے وقت کسی لکڑی کو آر پار نہ کیا جائے۔ بھول کر بھی کسی لٹھے کو پار نہ کیا جائے ورنہ جو کھانا ڈھولک کے بجانے سے آتا ہے وہ زہریلا بن جائے گا۔ اس کے ساتھ ڈھولک کے نوکر چاکر بھی آ جائیں گے جو بڑے بے درد اور خوفناک ہوں گے۔ اُن کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہوگی۔ ساتھ ساتھ یہ سب کوڑوں سے لیس ہوں گے۔

عدو کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں۔ اس طرح وہ ہمیشہ چوکنا رہتا اور جب بھی وہ ڈھولک بجاتا ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا کہ اُس کے قدموں کے نیچے کوئی لکڑی یا لٹھ نہ رہے۔

عدو سردار امیر بھی تھا۔ اس کی بیویوں اور بچوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اُن کو گن نہیں سکتا تھا۔ اس کے جھوپڑوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ نوکر چاکر بھی اَن گنت تھے۔ گودام کھانے سے بھرے رہتے تھے۔ دُور دُور تک اُس کی شہرت تھی۔ جادو کی ڈھولک بھی اُس کی مشہور تھی۔

سردار فارغ البال اور فیاض تھا۔ وقتاً فوقتاً جنتا کو بلا کر وہ دعوت کرتا۔ اُن کی تعداد سیکڑوں ہوتی۔ یہاں تک کہ جو جانور ڈھولک کی آواز سنتے وہ بھی چلے آتے۔ ناچنا اور گانا دیکھ کر وہ خاموش ہوتے۔ اُن دنوں انسان اور جانور آپس میں مل جل کر بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے۔

مہمانوں کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ”سردار کے پاس جُو جُو کتنے غضب کا ہے اور ڈھولک کے جادو کا کیا کمال ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کاش ہمارے پاس بھی ایسی ڈھولک ہوتی۔“

دعوت میں ایک کچھوا بھی شریک رہتا۔ وہ ڈھولک کے لیے بڑا ترستا۔ ڈھولک دیکھ کر اُس کے منھ میں پانی بھر آتا۔ ہفتوں وہ اُسی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سردار سے بھلا وہ اسے کیسے حاصل کر سکے گا؟

ایک دن بھولے سے سردار کی ایک بیوی تاڑ کے درخت کے نیچے چلی گئی۔ اس تاڑ کے درخت کا مالک کچھوا تھا۔ بغیر سوچے سمجھے سردار کی بیوی نے تاڑ کا ایک پھل اٹھا لیا اور اُسے اپنی بچی کو دے دیا کہ لو اسے کھا لو۔

کچھوا وہیں تاک میں بیٹھا تھا۔ جھٹ بولا ”ڈاکو! تم نے میرا تاڑ کا پھل چرانے کی کوشش کیوں کی۔ یہ تو میرا خاص پھل تھا اور آج شام کو میں اسی کا ڈنر کھاتا۔ اب تم نے اُسے اپنی بچی کو کھلا دیا۔ میں جاتا ہوں اور سردار سے خود اس کی شکایت کروں گا۔“ خوفزدہ بیوی نے کہا ”عدو تمھیں دوسرا پھل دے گا بلکہ ایک کے بجائے دو پھل دے گا۔“

بہرحال کچھوا اور بیوی دونوں محل میں پہنچے۔ مقدمہ

سن کر سردار عدو نے کہا ''کچھوے میاں ! شکایت بجا ہے۔ میری بیوی سے غلطی ہوگئی۔ بولو اُس کے بدلے تم کیا چاہتے ہو۔ جو چاہو مانگ لو۔ میں منھ مانگا دام دوں گا۔ کتنے پھل تمھیں چاہئیں، دو، دس یا اور کتنے؟ بہر حال جو کہو میں تاوان دینے کو تیار ہوں۔''

کچھوا بھی کم چالاک نہیں تھا۔ اُس نے کہا اے سردار! وہ معمولی پھل نہیں تھا۔ اُس میں سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔ کسی دوسرے تاڑ کے درخت کا پھل، دُو دس کا سوال نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہر جانے میں مجھے جوٗ جوٗ کا ڈھولک چاہیے۔ بس مجھے صرف یہی چاہیے اور کچھ نہیں۔''

کچھوا مہینوں سے اُسے حاصل کرنے کی فکر میں تھا اور آج اُس کا موقع آ ہی گیا۔ اُس زمانے میں کوئی چیز چرانا خواہ تاڑ کا پھل ہی کیوں نہ ہو بڑا ہی برا اور ایک سخت جرم سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح سردار عدو اپنی ڈھولک ہار گیا اور کچھوے کی قسمت جاگ اٹھی۔

لیکن سردار کچھوے کو وہ راز کی بات بتانا بھول گیا۔ کچھوے صاحب کو اس بات کی بالکل خبر نہیں تھی کہ اگر وہ لکڑی کے اوپر سے گزر گئے تو جادو کے ڈھولک کیا گل کھلائے گی۔

گھر آتے ہی کچھوے نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اُس نے ڈھولک کو بجایا اور اپنے گھر والوں کو ایک شاندار دعوت کھلائی۔ اُس نے دیکھا تھا کہ سردار کس طرح ڈھولک بجا کر جو چیز چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق منگا لیتا ہے ہر ایک کو کھلاتا۔ کچھوا روزانہ ڈھولک سے کام لینے لگا اور اُس کی بیوی، بچے اور خاندان کے سب لوگ جی بھر کر اور خوب سیر ہو کر ایک سے ایک عمدہ پکوان کھاتے۔

ہر ایک کو یہ فکر کہ آخر کچھوے کے پاس اتنا کھانا کہاں سے آتا ہے۔ ایک دن کچھوے کو جوش آ گیا۔ فیاضی کا ثبوت دینے کے لیے اُس نے سوچا ''جوٗ جوٗ کی ڈھولک میرے لیے بھی اتنی ہی اچھی ہے جتنی کہ وہ عدو کے لیے تھی۔ میں بھی کیوں نہ ایک دن سب کی دعوت کر دوں۔''

دعوت کے نقارے بجا دیے گئے۔ لیکن دعوت میں تھوڑے ہی لوگ آئے۔ رائے زنی کرتے ہوئے عوام نے کہا ''اگر کچھوے نے یہ دعوت دی ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ معمولی قسم کی دعوت ہوگی۔'' کافی لوگ اسی لیے آئے بھی نہیں۔

لیکن اُن کا خیال صحیح نہیں تھا۔ بڑے بڑے پیالے شکرقند کی کھیر سے بھرے پڑے تھے۔ کھیر کے علاوہ کھانے میں اور انواع واقسام کے کھانے تھے۔ کچھ لوگ

پچھتا کر رہ گئے اور انھوں نے طے کیا کہ اگر آئندہ دعوت کے لیے شادیانہ بجا تو وہ نہیں چوکیں گے۔

اب جو دوبارہ دعوت کے لیے اعلان ہوا تو اب کی بار ایک جم غفیر آ گیا۔ محض سردار عدو اور اس کا خاندان نہیں آیا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ لوگ نہیں آئے۔

کچھوے نے جو جو کی ڈھولک کو زور زور سے بجایا۔ منٹوں میں مہمانوں کے سامنے دستر خوان بچھ گئے۔ پیالوں میں شکر قند کی کھیر بھر بھر کر آ گئی۔ پینے کے لیے ایک سے ایک عمدہ قسم کا مشروب موجود۔

اتنا عمدہ اور ٹیپ ٹاپ والا انتظام دیکھ کر ہر ایک انگشت بدنداں۔ سبھی لوگ کچھوے کی تعریف کے پل باندھ رہے تھے۔ واقعی اس وقت کے معیار کے لحاظ سے ذرہ برابر کوئی کمی نہیں تھی۔ تیاری مکمل تھی اور ہر کام ٹھیک چل رہا تھا۔ بس کچھوے نے بھول کر ایک غلطی کر دی۔ یعنی ڈھولک بجاتے وقت وہ ایک لکڑی کے ٹکڑے کو پھاند گیا تھا۔ جسے اس کے ایک بچے نے بھول کر اُس کی طرف پھینک دیا تھا۔

لکڑی پر پاؤں پڑتے ہی ڈھولک کا جادو ٹوٹ گیا۔ ایک قیامت برپا ہوگئی۔ سارا کھانا زہر بن گیا۔ تین سو خوفناک دیو بھی آ گئے اور آتے ہی وہ بھیڑ پر ٹوٹ پڑے۔ چابک اور کوڑے سے انھوں نے خاطر کی۔ بعض مہمانوں کو چوٹ سخت آئی اور اُن کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہو گیا۔

کچھوا بال بال بچ گیا۔ وہ دیوؤں کے زد میں نہیں آیا اور اُس پر مار نہیں پڑی۔ وہ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر گھنی جھاڑی میں رینگ کر چھپ گیا۔

لیکن سارے مہمان بہت خفا۔ وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اُنھوں نے طے کیا کہ کچھوے کو سبق ضرور سکھائیں گے۔ دو دو تین تین کر کے وہ آتے اور کچھوے کی خوب مرمت کرتے۔ سب نے کہا اگر دوبارہ ایسا مذاق کیا گیا تو وہ کچھوے کو جان سے مار دیں گے۔

ڈرتے ڈرتے وہ سردار عدو کے گھر گیا۔ اُس نے منت سماجت کی اور گڑگڑا کر روتے ہوئے اُس نے کہا ''سردار عدو! تم اپنی ڈھولک واپس لے لو۔ مجھے اب یہ نہیں چاہیے۔ اُس کے خوفناک نوکروں نے جو مظاہرہ کیا ہے اُس سے ہماری اور ہمارے خاندان کی عزت خاک میں مل گئی۔ سچ بات یہ ہے کہ میرے لیے یہ جو جو کا جادو راس نہیں آیا۔''

یہ کہہ کر اُس نے جادو کی ڈھولک سردار کے قدموں میں پھینک دی۔ پھر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا اور اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر تاڑ کی جڑوں میں چھپ گیا۔

اسی ڈر سے آج بھی کچھوا تاڑ کے درخت کی جڑوں میں چھپنا پسند کرتا ہے۔ کبھی اتفاق سے سال میں ایک بار وہ باہر نکلتا ہے۔ اس وقت بھی اس کی پُل پلی کانپتی رہتی ہے۔

اس کی دہشت دور نہیں ہوتی ہے۔ اب بھی وہ پڑوسیوں سے اور جادو کی ڈھولک کے خوفناک ملازموں سے بہت ڈرتا ہے۔ اس طرح دادی اماں نے کہانی ختم کی۔ تو بچو! اب کہانی ختم، پیسہ ہضم۔

■

ماخذ: سوڈان کی مزے دار کہانیاں، **مصنف:** محمد امین، **تیسری طباعت:** 2009، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جیوفری سمر فیلڈ / ترجمہ: عطاء الرحمن طارق

سیفو کو سلام

کسی گاؤں میں ایک عورت اپنے اکلوتے لڑکے کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اس لڑکے کا نام سیفو تھا اور وہ تھا نرا بے وقوف!

ایک دن سیفو کی ماں کو کسی کام سے باہر جانا پڑا۔ اس نے سیفو سے کہا، ”سنو، میں ایک دو گھنٹے کے لیے کہیں جا رہی ہوں۔ مرغیوں کے باڑے میں بڑی مرغی انڈوں پر بیٹھی ہے اور انڈوں میں سے چوزے نکلنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔ تو تم اس بات کا دھیان رکھنا کہ مرغی انڈوں پر سے ہرگز اترنے نہ پائے۔ اگر وہ آنگن میں دانہ چگنے لگے تو فوراً سے پیشتر اسے دوبارہ جھابے کی طرف لے آنا ورنہ چوزوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا، سمجھے؟“

”تم فکر مت کرو ماں۔ میں سب دیکھ لوں گا۔“

”ہاں، ایک بات اور... الماری میں جو ہانڈی رکھی ہوئی ہے، اس سے دور ہی رہنا، اچھا۔ اگر تم نے بھول کر بھی اس میں سے کچھ نکال کر کھایا تو زندہ نہیں بچو گے، سمجھے!“

”شکریہ، تم نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا۔ میں اُس طرف بھٹکوں گا بھی نہیں۔“

ادھر اس کی ماں روانہ ہوئی، اُدھر سیفو گھر کے آگے باغیچے میں جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جگہ جگہ گڑھے کھودنا شروع کر دیے اور ان گڑھوں کو گھاس پھوس سے ڈھک دیا۔ دراصل وہ ان پاجی لڑکوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا جو پچھواڑے سے کود کر سیب کے درختوں سے سیب چرایا کرتے تھے۔ اس کام میں اُسے کوئی گھنٹہ بھر لگ گیا۔ ابھی وہ اپنی کمر سیدھی کر ہی رہا تھا کہ اس نے مرغی کو باغیچے میں یہاں وہاں منڈلاتے دیکھا۔

”شُو، شُو، ہُش، ہُش... چلو، انڈوں کی طرف واپس جاؤ...“

مرغی نے اس کی ایک نہ سنی۔ سیفو نے اپنے پیر پٹخے، اپنی ٹوپی اس کی طرف کھینچ ماری لیکن مرغی کو ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا۔ وہ مزے سے دانہ چگنے میں مصروف رہی۔

سیفو کو آیا غصہ، اس نے ایک بڑی سی لکڑی تان کر مرغی کو دے ماری۔ لکڑی سیدھے مرغی کے سر پر لگی اور وہ بے چاری پھڑ پھڑا کر وہیں ڈھیر ہوگئی۔

''یا خدا! اب انڈوں کا کیا ہوگا؟ چوزوں کا کیا ہوگا؟'' سیفو بڑبڑاتا ہوا باڑے کی طرف بھاگا۔ اس نے انڈوں کو چھو کر دیکھا۔ ان میں حرارت بالکل باقی نہ رہی تھی۔ سیفو انڈے پر بیٹھ گیا۔ اب انڈوں کا جو حشر ہونا تھا سو ہوا۔

اس کی ساری پتلون پھوٹے ہوئے انڈوں سے خراب ہوگئی۔ اس نے انڈوں کو ٹھکانے لگانا چاہا۔ اس کے دونوں ہاتھ غلاظت سے بھر گئے۔ اس نے اپنی پتلون اُتاری اور باورچی خانے میں جا کر اسے دھویا۔ اس کے پاس لے دے کے ایک ہی پتلون تھی لہٰذا اس نے سوکھنے کی پروا کیے بغیر پتلون چڑھالی۔ گیلے پن کی وجہ سے اس کے دونوں پاؤں نیچے سے اوپر تک شل ہو کر رہ گئے۔

اتنی مشقت کے بعد سیفو کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔ وہ باہر جا کر مری ہوئی مرغی اُٹھا لایا۔ اس کے پر صاف کیے اور آگ پر بھون لیا۔ جب وہ اچھی طرح تیار ہوگئی تو اُسے باورچی خانے کے باہر ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیا۔ یہ سب کرنے کے بعد اس نے ٹیبل پر ایک صاف کپڑا بچھایا۔ اور تہ خانے سے اپنے لیے جگ میں وائن لانے چل پڑا۔ اس زمانے میں لوگ بڑے بڑے مٹکوں میں وائن کشید کیا کرتے تھے۔ جسے کھانے کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا۔

اس نے اپنا جگ ٹونٹی کے نیچے لگا دیا۔ ابھی وہ جگ میں اُٹھنے والے جھاگ اور بلبلوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے اوپر سے کچھ بے ہنگم سی آوازیں سنائی دیں۔ وہ تہ خانے سے نکل کر تیزی سے اوپر آیا۔ وہاں دو بلے بھنی ہوئی مرغی کے لیے آپس میں گتھم گتھا تھے۔

اس نے دونوں بلوں کو دوڑایا۔ وہ آنگن سے ہوتے ہوئے گھر میں گھس گئے۔ اس نے ان کا پیچھا کیا۔ اوپر نیچے سارے میں یہاں تک کہ وہ مرغی کو مسہری کے نیچے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب تک سیفو مرغی کو نکال کر صاف صوف کرتا اُسے یاد آیا کہ وہ تہ خانے میں ٹونٹی کھلی چھوڑ آیا ہے۔ اب وہ تہ خانے کی طرف اُلٹے پاؤں واپس بھاگا۔ کیا دیکھا کہ مٹکا خالی ہو چکا تھا اور فرش پر وائن ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سیفو نے آٹے کی بوریوں کو فرش پر ڈال دیا تاکہ وائن اس میں جذب ہو جائے اور اس بات کا پتا اس کی ماں کو نہ چلے۔

پھر وہ بیٹھ کر سوچنے لگا: نہ انڈے، نہ چوزے، نہ مرغی، نہ شراب نہ کھانا، نہ پینا۔ ہائے ری قسمت!

سیفو کی ہمت نہ ہوئی کہ ایسے میں اپنی ماں کا سامنا کرے، سو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کرلے۔

اُسے یاد آیا، اس کی ماں نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر اس نے ہانڈی میں رکھی چیز کو چکھنے کی کوشش بھی کی تو وہ مر جائے گا۔

وہ گرتا پڑتا تہ خانے سے نکل کر الماری کی طرف

بھاگا۔ ہانڈی کو اتارا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، ہانڈی میں جو کچھ تھا حلق سے اُتار لیا۔ پھر وہ آتش دان میں گھس کر اپنے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔

سیفو کی ماں واپس آئی اور دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ اس نے سیفو کو تاکید کر رکھی تھی کہ اس کے باہر جانے پر دروازے کی کنڈی چڑھا لیا کرے۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ سیفو آ کر دروازہ کھولے گا۔ وہ بار بار دستک دیتی رہی یہاں تک کہ اس کے ہاتھ دُکھنے لگے۔ پھر جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اس نے لات مار کر دروازہ کھول دیا۔

''سیفو سیفو ! کہاں ہو تم؟ کیا بہرے ہو گئے ہو؟ باہر نکلو۔ کیا تم نے نہیں سنا؟''

تبھی آتش دان سے ایک نحیف سی آواز سنائی دی، ''میں یہاں ہوں آتش دان میں۔ مگر تم اب بھی مجھے نہ دیکھ سکو گی۔ میں بس کچھ ہی پلوں میں مرنے والا ہوں!''

''بے تکی بات نہ کرو۔ باہر آؤ۔''

''میں مر جاؤں گا۔ میں نے ہانڈی کا زہر کھا لیا ہے۔ اور اب میں مر رہا ہوں۔''

یہ سن کر ہنستے ہنستے سیفو کی ماں کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا رومال تر ہو گیا۔

جب وہ کچھ بولنے کے لائق ہوئی تو اس نے کہا ''مجھے سارا قصہ سناؤ، مجھے بتاؤ ہوا کیا تھا؟''

سیفو نے مرغی ، انڈے، بلیوں کی لڑائی، وائن، آٹے کی بوریوں اور ہانڈی میں بھی زہریلی خوراک کے بارے میں شروع سے آخر تک بیان کر دیا۔

''ارے، بے وقوف لڑکے۔ اس ہانڈی میں اچار رکھا ہوا تھا۔ میں نے اُسے بچا کر رکھا تھا کہ ضرورت پڑنے پر کام آئے، میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اُسے چٹ کر جاؤ۔ میں اُسے تمھاری پہنچ سے دور رکھنا چاہتی تھی بس۔ اس میں کوئی زہر وہر تھوڑی تھا تم مرو گے نہیں، بس ذرا پیٹ میں مروڑ ہو گا۔ اب آتش دان سے باہر نکلو، نہ جانے کب سے دبکے پڑے ہو۔''

سیفو بدقت تمام آتش دان سے باہر آیا۔ اس کا حلیہ عجیب ہو گیا تھا وہ سچ مچ خود کو بڑا بے وقوف محسوس

کر رہا تھا۔

اس کی ماں نے اُسے دودھ کا گلاس دیا۔

''ہائے میں کیا کروں؟ اب کھانے کا انتظام کیسے ہوگا؟ نہ گھر میں انڈے ہیں، نہ چکن ہے، نہ آٹا ہے، نہ وائن ہے۔ مجھے وہ کپڑا جو میں بن رہی تھی اُسے بیچنا ہو گا۔''

وہ اوپری منزل پر اپنی خواب گاہ میں گئی اور کپڑے کا تھان ہاتھوں میں سنبھالے نیچے آئی۔

''جاؤ اسے بازار میں بیچ آؤ۔'' اس نے سیفو سے کہا،'' لیکن دھیان رہے۔ وہ لوگ جو چپڑ چپڑ باتیں کرتے ہیں وہ تمھارے ساتھ دھوکہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہوشیار رہنا!''

''تم کسی بات کی فکر نہ کرو ماں۔'' سیفو نے کہا اور کپڑا لے کر بازار کی طرف روانہ ہوا۔

''کپڑے... لے لو.. عمدہ نفیس کپڑے...''

اُس نے آوازیں لگائیں۔

لیکن جب کوئی گاہک کپڑے لینے کے لیے بھاؤ تاؤ کرنے لگتا، سیفو کو اپنی ماں کی بات یاد آ جاتی۔ کہیں کوئی اُسے بے وقوف نہ بنائے بس اسی ڈر سے وہ ایک بالشت کپڑا بھی نہ بیچ پایا۔

''کپڑے... لے لو عمدہ نفیس کپڑے...''

وہ آوازیں لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تھک کر نڈھال ہو گیا۔ پھر وہ بازار سے پرے ہٹ آیا اور ایک جگہ جہاں ایک مجسمہ لگا ہوا تھا، وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا اس مجسمہ کو شاید کپڑوں کی ضرورت ہو۔ سیفو نے اُسے گاہک مان کر پوچھا جناب کیا آپ اپنے لیے کپڑے خریدنا پسند کریں گے؟''

کوئی جواب نہیں ملا۔

''دیکھیے، ان کی بناوٹ کیسی عمدہ ہے۔''

پھر کوئی جواب نہیں ملا۔ سیفو کو لگا یہی وہ گاہک ہے اسے جس کی تلاش تھی۔

''یہ کپڑے آپ کے لیے بالکل مناسب معلوم ہوتے ہیں۔'' اس نے مجسمے سے کہا،''میں اسے یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ اسے اطمینان سے دیکھ لیجیے۔ پیسوں کی ادائیگی آپ کل کر دیجیے گا۔ میں کل اسی وقت آ جاؤں گا!''

سیفو اپنے گھر کی طرف تیزی سے روانہ ہوا تا کہ اپنی ماں کو اس سودے کے بارے میں بتا سکے۔

''ارے بے وقوف چھوکرے! اس کی ماں نے سر پیٹ لیا۔'' کوئی کام تمھارے ذمے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمھارا کیا کروں؟''

''ماں! کل تک رُک جاؤ میں تمھارے کپڑوں کی قیمت ضرور وصول کر لوں گا۔''

''اگلے دن... سیفو پیسوں کی وصولی کے لیے مجسمے کے پاس گیا۔ اس نے کپڑے کا تھان وہیں اس کے پیروں کے قریب چھوڑ دیا تھا اور یقیناً وہاں سے گزرنے والا پہلا شخص اُسے لے کر چلتا بنا ہوگا۔

''میں اپنے کپڑوں کی قیمت وصول کرنے آیا ہوں جو میں نے کل آپ کو دیے تھے۔'' مجسمے نے کچھ نہیں کہا۔

''میرے پیسے نکالو۔'' سیفو نے چلا کر کہا۔ وہ غصے سے روہانسا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے قریب ہی پڑا پتھر اٹھایا اور مجسمے پر دے مارا۔ یا خدا، پتھر لگتے ہی مجسمہ چکنا چور ہو

گیا۔ سیفو کو مجسمے کے اندر سنہری سکوں سے بھرا ایک مٹکا ملا۔ مٹکا ملتے ہی سیفو کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ سیدھا گھر کی طرف بھاگا۔

’’ماں... ماں ... میں پیسے لے آیا۔ کپڑوں کے پیسوں کی وصولی۔‘‘ ماں سنہری سکوں سے بھرا مٹکا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اس نے سوچا ’’یہ بے وقوف لڑکا ہر کسی سے مٹکے کے بارے میں کہتا پھرے گا، اس لیے مجھے فوراً کچھ نہ کچھ ترکیب نکالنی پڑے گی۔‘‘

’’شکریہ میرے بچے . . . اب جلدی سے اسے الماری میں رکھ آؤ۔ اور دیکھو گھر کے برآمدے میں دودھ والا آتا ہی ہوگا تم وہاں جاؤ، کہیں وہ آکر چلا نہ جائے۔ شاباش!‘‘

سیفو گھر کے داخلی دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اُس کی ماں اوپری منزل پر پہنچی اور خوابگاہ کی کھڑکی سے بادام، چھوہارے، کشمش، اخروٹ، انجیر، شہتوت وغیرہ مٹھی بھر بھر کر پھینکنے لگی۔ نیچے بیٹھے ہوئے سیفو کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے میوؤں کو اپنے ہاتھوں میں اور منھ میں بھرلیا۔

’’ماں ... ماں .. وہ چلا یا ... جلدی آؤ۔ دیکھو تو میوؤں کی برسات ہو رہی ہے ماں۔ مجھے کوئی برتن لا دو۔‘‘

سیفو کی ماں جلدی سے نیچے آئی اور میوے ایک برتن میں بٹورنے لگی۔ اس نے سیفو کو جی بھر کر میوے کھانے دیا یہاں تک کہ اُسے نیند آنے لگی اور وہ سو گیا۔

کچھ ہفتوں بعد دو اجنبی گلی میں ایک دوسرے سے حجت کرتے ہوئے پائے گئے۔

اُن میں سے ایک کو اپنے مکان کے پیچھے ایک سونے کا سکہ ملا تھا۔ اور دوسرا یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ سونے کا سکہ اسی کا ہے۔ سیفو نے ان کی باتیں سنیں تو بولا ’’ارے آپ لوگ ایک سکے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ مجھے تو سکوں سے بھرا مٹکا ملا ہے۔‘‘

یہ سن کر دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سیفو کو پولیس تھانے کھینچ لائے۔ تھانیدار نے کہا، ’’ہاں تو ذرا مجھے تم اپنے سونے کے سکوں کے بارے میں بتاؤ۔‘‘

تھانیدار صاحب، کچھ ہفتوں پہلے کی بات ہے۔ مجھے ایک گونگے آدمی کے پیٹ سے ایک سونے کے سکوں سے بھرا مٹکا ملا تھا جس نے میری ماں کے بنے ہوئے کپڑے خریدے مگر پیسے کی ادائیگی نہیں کی تھی۔ یہ واقعہ اس دن کا ہے جناب... جس دن میوؤں کی برسات ہوئی تھی۔‘‘ سیفو سادگی سے کہتا چلا گیا۔

تھانیدار نے کہا ’’چلو نکلو یہاں سے، اور اپنا راستہ لو۔ کہاں کی گپ ہانکنے لگے۔‘‘

سیفو اور اُس کی ماں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ جب بھی انھیں ضرورت پڑتی وہ الماری میں رکھے ہوئے مٹکے سے سونے کا سکہ نکال لیا کرتے۔

سیفو کی بات کا کبھی کسی نے یقین نہیں کیا۔

■

A.R. Tariq
3 A, 701, Vijaya CHS
Vaishali Nagar, K. K. Road
Mahalaxmi- 400011 (Maharashtra)
Mob.: 9773238043

توصیف بریلوی

کیکی

"یہ کیکی ہیں اماں ..... کیکی۔ میں انھیں کیکی کہوں گا۔"

ارے واہ بیٹا یہ نام تو بہت پیارا ہے۔آپ نے اپنی بہن کا نام کیکی کیوں رکھا ہے؟ ماں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اماں یہ جو مدحت ہیں مجھے بہت پیاری لگتی ہیں۔ بالکل کیک جیسی۔" چوتھے درجے میں پڑھنے والے رومی نے خوشی سے بتایا۔

"اچھا تو اس کا مطلب ہے آپ کو کیک بہت پسند ہے؟"

"جی اماں ۔ بہت ..... زیادہ.....۔" کہتے ہوئے رومی نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے۔ ادھر چھوٹی بہن مدحت عرف کیکی بھی اپنے جھولے میں ہاتھ پیر چلا کر خوش ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا آپ ابھی اسکول سے آئے ہیں کپڑے بدلیے پھر ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایئے۔آج میں نے آپ کی پسند کی مچھلی تلی ہے۔ یہ سنتے ہی رومی بہت خوش ہو گیا اور جلدی جلدی لباس تبدیل کرنے لگا جس کے سبب وہ فرش پر گر بھی پڑا۔

"بیٹا یوں ہڑ بڑاہٹ میں کام بگڑتے ہیں اور انسان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔مچھلیاں آپ ہی کے لیے ہیں، آپ اطمینان رکھیے۔" ماں نے بڑے ہی پیار سے رومی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیسا لگا آج کا کھانا بیٹا؟"

"اماں بہت لذیذ تھا۔"

"بہت شکریہ لخت جگر آپ نے لذیذ لفظ استعمال کیا۔

"جی اماں میری استانی بہت اچھی ہیں۔ میں سیکھ رہا ہوں۔میرے اسکول کی تمام استانیاں بہت اچھی ہیں۔"

"جیتے رہیے بیٹا، خوب دل لگا کر پڑھیے۔"

ماں بہت خوش تھی کہ اس کا بیٹا اچھی طرح زبانیں سیکھ رہا ہے۔

"بیٹا آج آپ کے لیے میں کیک بناؤں گی۔آپ کو بہت پسند ہے نا!"

''جی اماں بہت لیکن کیک تو ابو جان بازار سے لے کر آتے ہیں۔ آپ انھیں فون کر دیجیے وہ لے آئیں گے۔'' رومی نے اپنی تجویز مسکرا کر رکھی۔

''بیٹا پہلے میں آپ کے لیے کیک بنا دوں پھر آپ کھا کر بتائیے گا کیسا بنا ہے اس کے بعد بات کریں گے۔'' رومی نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''میرا پیارا بیٹا۔'' کہتے ہوئے اس کی ماں باورچی خانے میں گئیں اور کیک بنانے لگیں۔ جب کیک تیار ہو گیا تو انھوں نے اس پر کریم لگائی اور پھر اسٹرابیری اور چیری سے اسے سجایا۔ کیک دیکھ کر رومی حیرت میں پڑ گیا کیونکہ وہ بہت خوبصورت ڈیزائن کیا گیا تھا۔

''اماں یہ تو بازار سے بھی اچھا دکھ رہا ہے۔ اب جلدی سے مجھے کھانے کے لیے دیجیے۔''

''ضرور میں ابھی دیتی ہوں۔'' کہتے ہوئے رومی کی ماں نے ایک پلیٹ میں کیک کاٹ کر رکھا اور رومی کو دیا۔

بیٹا یہ کیک بنانا میں نے آپ کے لیے سیکھا ہے کیونکہ جو کیک آپ بازار سے منگواتے ہیں اس میں خطرناک قسم کے رنگ اور دیگر کیمیکل استعمال ہوتے ہیں جو بچوں اور بڑوں سبھی کے لیے بے حد نقصان دہ ہیں۔ ان سے پیٹ کی بیماریاں ہوسکتی ہیں یا پیٹ کے اندر کے اعضا کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق کیک میں پڑنے والے رنگوں سے کینسر ہو جانے کا بھی امکان ہے۔

''اماں یہ کینسر کیا بہت خطرناک ہوتا ہے؟'' رومی نے تجسس سے پوچھا۔

''بیٹا یہ ایک بے حد خطرناک مرض ہے۔ اس لیے میں نے آپ کے لیے کیک گھر پر ہی بنانا سیکھ لیا ہے۔''

''شکریہ اماں۔'' کہتے ہوئے وہ اپنی ماں سے چمٹ گیا۔

رومی کی ایک عادت تھی کہ جب وہ اسکول جاتا تو اپنی والدہ سے ضرور پوچھتا کہ اماں اسکول میں کھانے کے لیے آپ نے کیا رکھا ہے۔

اگلی صبح اس نے اپنی والدہ سے پوچھا تو انھوں نے کہا:

''سیب اور کیلے..... اور...''

''اور کیا اماں...'' رومی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اور آپ کی پسندیدہ چاکلیٹ میں نے خود بنا کر رکھی ہے۔''

اچھا اماں ..... رومی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ آپ چاکلیٹ بھی بنا لیتی ہیں؟''

''جی برخوردار..... اب آپ کے لیے سیکھ رہی ہوں کیونکہ باہر کی چاکلیٹ آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اس لیے آپ کو کھجور اور میوہ جات کی چاکلیٹ بنا کر دی ہے۔''

رومی چاکلیٹ کے بارے میں سن کر بہت خوش تھا اور اس کی ماں رومی کو خوش دیکھ کر۔

''اماں آپ اور کیا کیا بنا لیتی ہیں؟''

بیٹا ابھی آپ کو اسکول جانا ہے آپ کے ابو جان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوٹ کر آیئے تو میں آپ کے لیے کچھ اور بھی نیا بنا کر رکھوں گی۔ پھر میں بتاؤں گی کہ اور کیا کیا بنا سکتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے اماں۔ السلام علیکم!'' کہہ کر رومی اپنے

والد کے ساتھ اسکول کے لیے روانہ ہو گیا۔

رومی کے اسکول جانے کے بعد اس کی ماں نے سب سے پہلے اس کی پسند کی آئس کریم بنا کر ریفریجریٹر میں رکھ دی تاکہ اچھی طرح سے جم جائے اور اس کے بعد انھوں نے دال چاول اور سلاد بھی تیار کیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد رومی کی ماں نے جب آئس کریم سامنے لا کر رکھی تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

''اماں یہ آپ نے بنائی، میرے لیے؟'' رومی جذبات سے لبریز تھا۔

''جی آپ ہی کے لیے۔ ابھی آپ کی کیکی تو بہت چھوٹی ہیں۔ وہ تو نہیں کھا سکتی ہیں۔'' ماں نے کیکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اماں یہ تو بہت مزے دار ہے۔ اب آپ روز بنایا کیجیے آئس کریم۔''

''بیٹا مجھے معلوم ہے کہ آئس کریم بھی آپ کو بہت پسند ہے لیکن روز روز نہیں بدل بدل کر کچھ نہ کچھ روز بنا دیا کروں گی۔ میں نے آپ کیلیے بہت سی چیزیں سیکھ لی ہیں تاکہ آپ کوئی بھی چیز کھا کر بیمار نہ پڑ جائیں۔''

میں آپ کو پزا، برگر، نوڈلس بسکٹ، چاٹ پاپڑی، کیک، چاکلیٹ، آئس کریم، فالودہ، کسٹرڈ فروٹ سلاد نیکیٹس، لچھا پراٹھا، گول گپا، موموز، مٹھائی تخم بالنگا کا شربت، فالسے کا شربت اور بھی کئی چیزیں خود ہی بنا کر دیا کروں گی۔

''لیکن اماں کیوں؟''

''کیونکہ آپ کو پسند ہیں اور گھر پر بنانے سے صاف صفائی کا خیال رکھا جا سکتا ہے اور باہر کی کوئی بھی چیز کھانے سے آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''کیا نقصان اماں......''

''بیٹا جیسے ان چیزوں کو پکانے میں کون سا تیل استعمال ہو رہا ہے؟ اور کون سا آٹا یا میدا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آج کل یہ فاسٹ فوڈ والے اپنے مصالحے بھی دیتے ہیں اور وہ خاص مصالح کسی اور جگہ نہیں ملے گا۔ ان میں ذائقہ بڑھانے کے لیے کسی کیمیکل کا استعمال کیا ہوا ہو سکتا ہے۔ جیسے آپ جو نمکین باہر سے لا کر کھاتے ہیں اس میں کس طرح کا تیل استعمال ہوا یا وہ کتنے دن سے بنی رکھی ہے۔ یا پھر اس میں ذائقہ لانے کے لیے کوئی کھٹا میٹھا مادہ الگ سے تو نہیں ملایا گیا وغیرہ۔ کچھ کھانے پینے کی چیزوں میں Acetic Acid یا Tarteric Acid بھی ملاتے ہیں جن سے ان کھانوں میں تیزابیت بڑھ جاتی ہے۔ شکر نقصان کرتی ہے اس لیے آپ کو گڑ یا پھر کھجور کھلاتی ہوں۔ شکر کم سے کم کھانی چاہیے۔ ایسے ہی چاکلیٹ یا آئس کریم میں شکر اور کچھ ایسی چربی کی زیادتی ہوتی ہے جو آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

''ٹھیک ہے اماں، اب سے میں باہر کے فاسٹ فوڈ سے پرہیز کروں گا اور گھر کے کھانے کو ترجیح دوں گا۔'' رومی نے پر عزم ہو کر کہا۔

■

Tauseef Bareilvi
Dept of Urdu, Albarkat College of Grajuate Studies
Aligarh- 202122 (UP)
Mob.: 9058296593
venuseefvi@gmail.com

ثمینہ بانو محمد افضال

کہانیاں

سچ اور جھوٹ

محمود بہت ہی شرارتی لڑکا تھا، وہ ہمیشہ جھوٹ بولتا، اس کے جھوٹ بولنے سے اس کے والدین ناخوش رہتے/ انھوں نے اسے بہت سمجھایا لیکن محمود جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتا۔ ایک دن محمود گاؤں کے میدان میں سائیکل چلا رہا تھا، اسے میدان میں ایک فقیر بابا نظر آئے۔ فقیر نیک دل انسان تھے۔ محمود کو فقیر کے ساتھ شرارت کرنے کی سوجھی تو وہ فقیر بابا کا جھولا کھینچنے لگا۔ کبھی چھڑی لے کر بھاگتا، کبھی کچھ اور کرتا، غرض کہ وہ طرح طرح سے پریشان کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں فقیر نے محمود کو پکڑ لیا، اسے سزا دینے کے بجائے جھولے میں سے موتیوں کا ایک ہار نکال کر محمود کے گلے میں ڈال دیا اور کہا کہ تم کبھی بھی جھوٹ نہیں بولنا ورنہ یہ ہار فوراً غائب ہوجائے گا۔

ہار بہت خوبصورت تھا۔ محمود ہار دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ من ہی من سوچنے لگا کہ بڑا عجیب فقیر ہے۔ میں نے اتنا پریشان کیا، مجھے سزا دینے کے بجائے قیمتی ہار دے کر کہہ رہا ہے کہ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولنا، ورنہ یہ ہار غائب ہوجائے گا۔ عجیب بات ہے مجھے ہار غائب ہونے والی بات پر یقین نہیں ہو رہا ہے۔ فقیر ضرور مذاق کر رہا ہے۔ محمود کچھ دیر میدان میں سائیکل چلانے کے بعد گھر چلا گیا تو اس کے والد صاحب نے محمود کے گلے میں موتیوں کا ہار دیکھ کر پوچھا بیٹا تم کو یہ ہار کہاں سے ملا؟ محمود کو

جھوٹ بولنے کی عادت تھی، اس نے بتایا ابو جان میں نے یہ ہار کھیل کے میدان میں پایا ہے۔ محمود یہ کہہ ہی رہا تھا کہ وہ ہار غائب ہو گیا اور اس فقیر کی بات سچ ہو گئی۔ یہ دیکھ کر محمود بھونچکا سا رہ گیا۔ والد نے کہا بیٹا تمھارا ہار کہاں گیا؟ محمود نے کہا ابا جان میں نے آپ سے جھوٹ بولا وہ ہار مجھے ایک فقیر نے دیا تھا اور کہا تھا کہ تم کبھی بھی جھوٹ نہیں بولنا، ورنہ ہار غائب ہو جائے گا۔ محمود نے جیسے ہی سچ کہا ہار فوراً واپس آ گیا، محمود بہت خوش ہوا۔

اگلے دن محمود ہار لے کر اسکول گیا تو اس کے سبھی دوستوں نے پوچھا تم کو یہ ہار کہاں سے ملا؟ محمود نے ا ن سے بھی جھوٹ بول دیا۔ ہار فوراً غائب ہو گیا، پھر جب سچ کہا تو ہار فوراً واپس آ گیا۔ محمود کے سب دوست یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ محمود نے بتایا پہلے میں بھی اسی طرح حیران و پریشان تھا۔ پھر میں نے اپنے والد صاحب کو سچ بات بتائی تو ہار فوراً واپس آ گیا۔ محمود اور اس کے دوست ہار کو باری باری ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتے اور خوب تعریف کرتے۔ اسکول کی چھٹی کے بعد محمود نے ہار اپنی والدہ کو سونپ دیا۔ اس کی والدہ نے اسے سنبھال کر رکھ دیا۔

محمود نے سوچا کہ سچ بولنا واقعی ہر اعتبار سے بہتر ہے، میرے سچ بولنے سے میرے والدین بھی مجھ سے بہت خوش ہیں، زیادہ محبت کرنے لگے ہیں اور اب تو ڈانٹتے بھی نہیں ہیں بلکہ اچھے کام سے خوش ہوتے ہیں، مجھے خوب دعائیں دیتے ہیں۔ میں آج سے وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ جھوٹ بولنا ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔ مجھے اس فقیر بابا کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے جس نے مجھے سچے ہار کے ذریعے صحیح راہ دکھائی اور جھوٹ بولنے کی بری عادت بھی چھڑا دی۔ محمود فقیر کی تلاش میں نکلا۔ گاؤں کی سبھی گلیوں میں دیکھا، گاؤں کے اس میدان میں بھی دیکھا جہاں سائیکل چلانے جاتا تھا، لیکن فقیر نہیں ملا۔ کبھی صبح کو دیکھتا، کبھی شام کو تلاش کرنا لیکن فقیر کہیں نظر نہیں آتا۔ محمود نے اپنے دوستوں کو فقیر کا حلیہ بتایا مگر اس کے دوست فقیر کو پہچان نہیں سکے۔ اس کے ایک دوست نے کہا ہم نے گاؤں کے ہر فقیر کو دیکھا لیکن تم جس فقیر کا حلیہ بتا رہے ہو اسے ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ محمود نے فقیر کو ایک ہفتے تک بلا ناغہ تلاش کیا تاکہ شکریہ ادا کر سکے، لیکن فقیر نہیں ملا۔

آخر کار تھک ہار کر والدین کو سب کچھ بتایا تو والدہ نے کہا تم پریشان مت ہو وہ ضرور کوئی اللہ کا نیک بندہ ہوگا جو تمھیں سیدھی راہ دکھانے آیا تھا۔ ورنہ ہم نے تمھیں کتنا سمجھایا کہ جھوٹ نہیں بولنا، لیکن تم ہماری بات نہیں سنتے تھے اور اس فقیر کے سچے ہار کی وجہ سے تم میں کافی بدلاؤ آ گیا ہے۔ والدین کی بات سن کر محمود بہت خوش ہوا اور تھوڑا سا دکھی بھی۔ والدہ نے وجہ پوچھی تو بتایا میں نے آپ کی نافرمانی کی اور جھوٹ بولتا چلا گیا، اس بات کا مجھے بہت دکھ ہے۔ محمود کی والدہ مسکرا کر بولیں جو کچھ گزر چکا ہے اسے خوشی خوشی بھلا دو اور توبہ کرتے رہو۔ اب سے ایک نئی زندگی کی شروعات کرو، والدہ کہنے لگیں بیٹا کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو بچوں کو لاکھ سمجھاؤ لیکن وہ سمجھ نہیں پاتے۔

کچھ چیزیں سمجھانے کے بجائے کر کے دکھانے

سے سمجھ آتی ہیں۔ محمود کے والد بھی کہنے لگے، تمھاری والدہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب تم کافی فرمانبردار ہوگئے سو اس کی ہمیں بہت خوشی ہے۔

چند روز بعد محمود کے اسکول میں پروگرام ہوا جس میں کئی بچے پروگرام کا حصہ بنے، ان میں محمود بھی تھا اس کی تقریر کا عنوان ’جھوٹ کی زندگی‘ تھا۔ محمود پورے جوش وخروش کے ساتھ کہہ رہا تھا ’’زندگی میں چاہے کتنی ہی بڑی پریشانی کیوں نہ آجائے کبھی بھی جھوٹ کا سہارا نہیں لینا۔ جھوٹ بولنے سے دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہوتی ہے۔ جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے رحمت کا فرشتہ دور چلا جاتا ہے۔‘‘ تقریر کے آخر میں اس نے یہ شعر پڑھا۔

جھوٹ کے کالے چراغوں کو بجھا دے ورنہ
تیرے چہرے سے چمک ساری چلے جائے گی

پروگرام میں سامعین نے تقریر کو بہت پسند کیا۔ محمود خوشی خوشی اول انعام لے کر گھر واپس آیا۔

یہ وہی محمود تھا جو ہمیشہ شرارتیں کرتا، جس کے جھوٹ کی وجہ سے سب لوگ پریشان رہا کرتے تھے، اسے ہمیشہ شرارتی بچوں میں شمار کیا جاتا تھا، لیکن آج وہی محمود باادب باشعور بچوں میں شمار ہونے لگا۔

■

Sameena Bano Mohd Afzal
Saifi Book Dept de Samne, Best Choice
Kidzovior ke Bazoor Mein, Khanqah Ward
Burhanpur- 450331
Mob.: 7869249296

Subscription Form “Bachon Ki Duniya”

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا‘ کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا /چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.................................... بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ ’بچوں کی دنیا‘ ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

اظہر افسر

شکریہ

اداکار:

موتی: 12 سال
نجو: 11 سال
منیم جی: 40 سال
ڈاکٹر: 40 سال
نوکر: 35 سال

(شہر سے دور کسی گاؤں میں ڈاکٹر صاحب کا گھر، دروازے پر دو لڑکے کھڑے ہیں جن کے نام موتی اور نجو ہیں۔

موتی: (نجو سے پوچھتا ہے) کیوں بھئی کھٹکھٹاؤں دروازہ؟

نجو: ہاں ہاں ضرور۔

موتی: اپنا منہ تو اچھی طرح صاف کرلو۔ اس طرف ہونٹ کے نیچے کچھ لگا ہوا ہے۔ ہاں۔

نجو: ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ دستک دو۔

(دستک دی جاتی ہے)

موتی: کوئی آواز نہیں۔

نجو: دروازہ کھٹکھٹاؤ نا بھئی۔

(دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے)

نوکر: کون؟ کون ہے؟

نجو: اب بتاؤ کیا کہیں؟ اس کون کا کیا جواب دیں؟

موتی: ہمارے ہاں اس کون کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ کیا ڈاکٹر صاحب ہیں۔

نوکر: (پھر سے) کون ہے۔

نجو: ڈاکٹر صاحب ہیں۔

نوکر: (دروازہ کھولتا ہے) ارے بچو تم ہو! کیا بات ہے؟

موتی: ڈاکٹر صاحب سے ملنا تھا۔

نوکر: ڈاکٹر صاحب تو بدھ کے دن بمبئی چلے گئے۔

نجو: بمبئی چلے گئے۔ پھر موتی اب کیا ہوگا۔

نوکر: کیوں کیا کام ہے ڈاکٹر صاحب سے؟ زکام کی دوائی لینی تھی۔

موتی: نہیں دوائی نہیں یہ کچھ..... تحفہ ہے ہمارے چچا جان نے بھجوایا ہے۔

نوکر: تو پھر لاؤ۔

نجو: نہیں ڈاکٹر صاحب ہوتے تو ہم خود ان کو دیتے۔ رہنے دو۔ موتی آؤ چلو چلیں۔

نوکر: سنو سنو۔

موتی: کیا ہے؟

نوکر: ڈاکٹر صاحب تو ہیں۔ آؤ بیٹھو میں بلاتا ہوں۔ اندر سے۔

موتی: ابھی تو تم نے کہا کہ وہ بدھ کے دن بمبئی چلے گئے۔

نوکر: بدھ کے دن گئے تھے آج صبح واپس لوٹ آئے۔ آؤ اندر آ جاؤ بیٹھو (چلا جاتا ہے)

نجو: عجیب معمہ ہے۔

(موتی اور نجو اندر داخل ہوتے ہیں اور ایک طرف کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں)

نجو: موتی۔

موتی: ہوں۔

نجو: کل کتنے آڑو ہیں۔

موتی: بارہ۔

نجو: چٹخارہ لیتا ہے۔

موتی: ہشت چپ ہو جاؤ وہ آ رہے ہیں۔

(ڈاکٹر صاحب آتے ہیں، بچوں کی طرح پتلون کے تسمے دونوں کندھوں پر بندھے ہیں ملگجی قمیض، توند آگے نکلی ہوئی، عینک ناک کے اگلے سرے پر رکھی ہے)

نجو: آداب عرض ڈاکٹر صاحب۔

(مگر عین اسی وقت منیم کے آجانے سے نجو کی آواز منیم کی آواز میں گم ہو جاتی ہے)

منیم: (دھوتی لال پگڑی، میلا انگوچھا اور لکڑی تھامے اسٹیج پر آتا ہے) آداب عرض ہے جی۔

ڈاکٹر: ارے منیم جی آپ کیسے چلے آئے۔

منیم: بھولے سے آ گیا تھا جی۔

ڈاکٹر: اچھا اچھا بیٹھو بیٹھو۔ آرام سے بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔ ایک کام سے نبٹ لوں۔

منیم: سیٹھ جی نے کہا ہے کہ پچھلے مہینے کے پیسے ملے نہیں اور نہ اس مہینے کے ہی ہی ہی ہی حساب ہو جاتا تو اچھا تھا۔

ڈاکٹر: سب حساب ہو جائے گا بھئی، ابھی تو تمھارے سیٹھ جی کا علاج بھی تو ہو رہا ہے۔

منیم: وہ تو ہو رہا ہے ڈاکٹر صاحب مگر کیا ہمارے سیٹھ جی اچھے ہو جائیں گے؟

ڈاکٹر: کیوں نہیں؟ بالکل اچھے ہو جائیں گے۔

منیم: آپ کو یقین ہے؟

ڈاکٹر: یقین سو فیصد یقین ہے۔

منیم: سو فیصد؟ میں کچھ سمجھا نہیں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: دیکھو تمھارے سیٹھ جی جس مرض میں مبتلا ہیں اس مرض میں دس آدمیوں میں سے نو آدمی مر جاتے ہیں صرف ایک زندہ بچتا ہے۔

منیم: دس میں سے صرف ایک زندہ بچتا ہے، ہرے رام رام رام۔

ڈاکٹر: میرے پاس بھی تمھارے سیٹھ جی کو ملا کر دس آدمی اس مرض میں مبتلا تھے۔نو___تو........

منیم: بھگوان کی دیا سے۔

ڈاکٹر: ہاں مر گئے۔لیکن دسویں مریض تمھارے سیٹھ جی ہیں ان کا بچ جانا یقینی ہے سو فیصد یقینی۔

منیم: مگر یہ مرض ہوتا کیسے ہے ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: یہ مرض۔یہ ہوتا ہے (کچھ سوچ کر) آڑو کھانے سے۔

منیم: آڑو کھانے سے۔

ڈاکٹر: ہاں آڑو بہت بری چیز ہے۔اس سے پیٹ میں مروڑ ہوتا ہے، سر میں چکر آتے ہیں، کوئی بات یاد نہیں رہتی، آدمی کچھ کا کچھ کہنے لگتا ہے بہت خراب حالت ہو جاتی ہے۔

منیم: م۔میں چلتا ہوں۔

ڈاکٹر: ک ک کیوں کہاں چلے؟

منیم: میں جب گھر سے نکلا سیٹھ جی آڑو لیے بیٹھے تھے۔

ڈاکٹر: آڑو لیے بیٹھے تھے،ان کے پاس آڑو کہاں سے آئے؟

منیم: سیٹھ جی کے کسی دوست نے تحفے میں بھیجے ہیں۔

ڈاکٹر: دوست نے۔تم ایسے آدمی کو جو آڑو کا تحفہ بھیجے دوست کہتے ہو۔شرم نہیں آتی، میرا بس چلے تو میں ایسے آدمی کو وہ انجکشن دوں جو گھوڑوں کو دیے جاتے ہیں۔

منیم: گھوڑوں کو انجکشن؟

ڈاکٹر: کیا سمجھتے ہو؟ کیا میں گھوڑوں کے انجکشن سے واقف نہیں ہوں۔آدمیوں کے ساتھ ساتھ میں علاج حیوانات سے بھی واقف ہوں۔اس طرف دیکھو سند فریم میں لگی ہے۔

منیم: مگر یہاں تو ایک ہی سند ہے۔

ڈاکٹر: کیا مطلب؟

منیم: میرا مطلب ہے پھر آدمیوں کے علاج کی سند کہاں ہے۔

ڈاکٹر: عجیب بے وقوف ہو وہ تو ہم کرتے ہی ہیں۔اس کی کیا ضرورت ہے آؤ تمھیں ایک انجکشن دے دوں تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔

منیم: نہیں نہیں مجھے تو بخشیے۔

ڈاکٹر: گھبراہٹ آدمی کو ہو یا جانور کو دونوں کی صحت کے لیے بے حد مضر ہے سنو سنو، بھاگ گیا پاگل (بچوں کی طرف دیکھ کر) ارے تم لوگ کب سے بیٹھے ہو۔

موتی: جی بہت دیر سے پہلے ہم ہی آئے تھے۔

نجو: وہ منیم بعد میں آیا تھا۔

ڈاکٹر: پھر تو بڑی بھول ہوئی بعد میں آنے والے کو ہم نے پہلے موقع دے دیا خیر کوئی بات نہیں، کہو۔

موتی: بس ہمیں جانے دیجیے۔

ڈاکٹر: اس تھیلی میں کیا ہے؟

نجو: جی آڑو ہیں۔کل کشمیر سے چاچا جی کے یہاں سے کسی نے بہت سے آڑو بھیجے ہیں۔

موتی: اور انھوں نے یہ تحفے میں.....

ڈاکٹر: مجھے بھیجے ہیں لاؤ تو۔

نجو: لیکن اس کے کھانے سے تو سر میں مروڑ اور پیٹ میں چکر آتے ہیں۔

موتی: آدمی کچھ کا کچھ کہنے لگتا ہے۔

نجو: ہچکی لگ جاتی ہے اور بہت بری حالت ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر: (تھیلی لے لیتا ہے) یہ تو کشمیر کے آڑو ہیں بابا۔ کشمیر کے آڑوؤں کی کیا بات ہے۔ آہا۔ ہا۔ کیا خوشبو ہے کیا رنگ ہے کس قدر پکے اور میٹھے ہیں کتنے ہیں۔

موتی: جی بارہ۔

ڈاکٹر: بارہ۔ واہ۔ واہ۔ یہ تو جسم میں خون بڑھاتے ہیں۔ صفر دور کرتے ہیں۔ بخار کو بھگاتے ہیں۔ بدن میں پھرتی اور چستی پیدا کرتے ہیں۔ یہ بارہ آڑو نہیں بارہ پھرتی کے انجکشن ہیں۔

نجو: پھرتی کے انجکشن!

ڈاکٹر: ہاں لوگ کہتے ہیں روز ایک سیب کھاؤ اور ڈاکٹر سے دور رہو۔ مگر میں کہوں گا روز ایک آڑو کھاؤ اور ڈاکٹر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور رہو۔ واہ۔ واہ۔ چاچا جی کو میرا نمستے کہنا میں خود بھی تمھارے چاچا سے ملنے آؤں گا۔ اور ان بارہ آڑوؤں کا شکریہ ادا کروں گا۔

موتی: آپ ملنے آئیں گے؟

ڈاکٹر: ہاں۔ ہاں۔ کیوں؟ نہ آؤ؟

نجو: نہیں۔ نہیں۔ آیئے ضرور آیئے مگر۔

ڈاکٹر: مگر۔ مگر کیا؟

نجو: کیوں موتی کہہ دیں وہ بات۔

موتی: میرا خیال ہے اب کہہ دینا ہی ٹھیک ہے۔

ڈاکٹر: کیا بات ہے کیا کہنا چاہتے ہو آخر۔

نجو: جی کچھ نہیں بات یہ ہے کہ آپ چاچا جی سے ملنے چاہے کسی وقت آئیں مگر۔

ڈاکٹر: مگر پوری بات کہتے کیوں نہیں۔ یہ رکتے کیوں ہو۔ آئیں؟

موتی: بھئی وہ پوری بات یہ ہے کہ آپ جب چاچا جی کا شکریہ ادا کریں تو بارہ آڑوؤں کے بجائے۔

ڈاکٹر: بارہ آڑوؤں کے بجائے.....

نجو: بیس کا شکریہ ادا کیجیے گا۔ شکریہ

ڈاکٹر: ب۔ ب۔ بیس کا۔ ش۔ ش

(ڈاکٹر صاحب حیران بچوں کو دیکھ رہے ہیں پردہ گرتا ہے)

■

ماخذ: بچوں کے ڈرامے، مصنف: اظہر افسر، نویں طباعت: 2019، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

قسط 1

با تصویر کہانی

دوسرا آدمی

مصنف: قاسم خورشید

مصور: فجرالدین

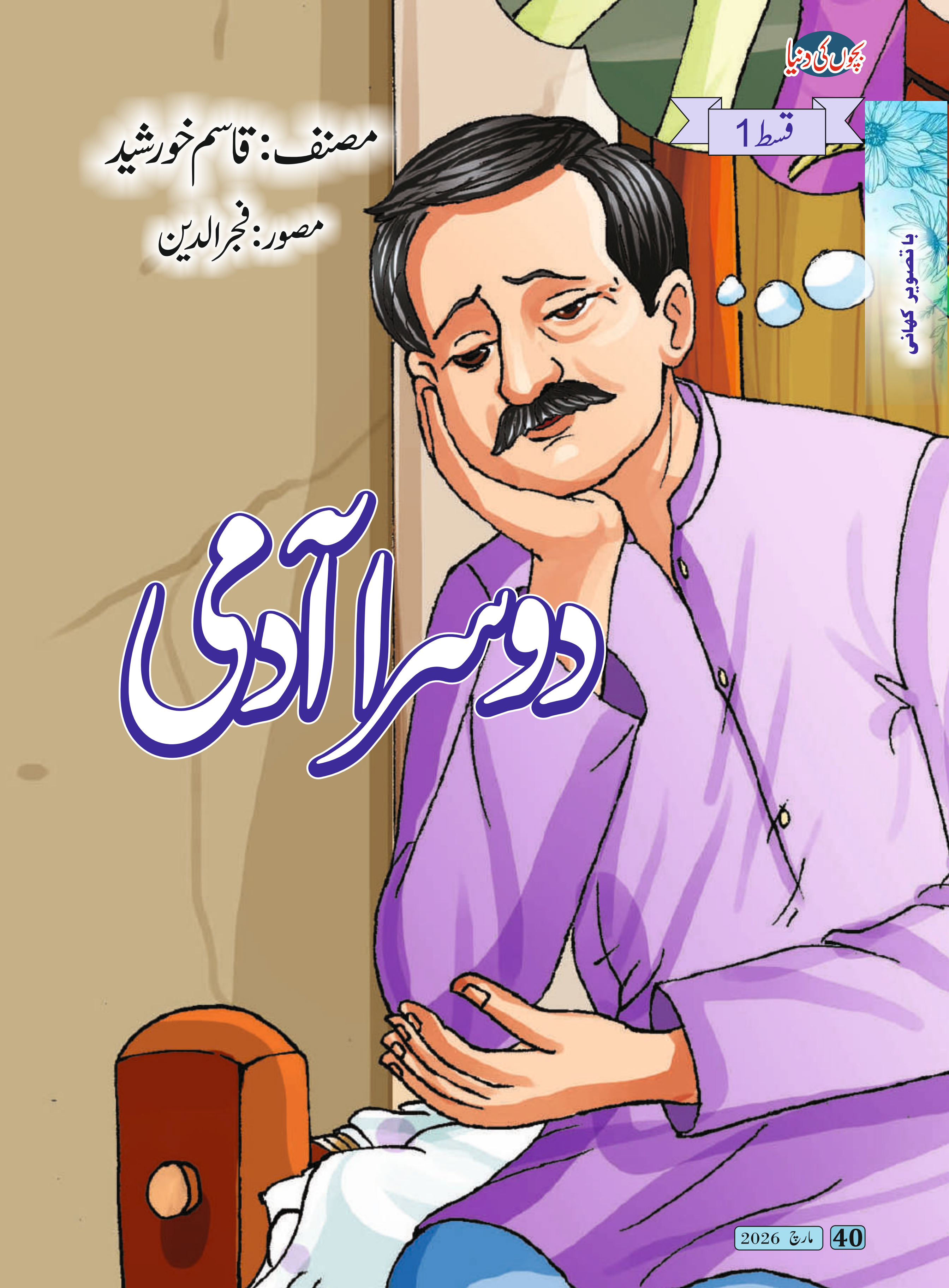

باتصویر کہانی

بیٹی کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی ۔اب دس دنوں میں سب کچھ ہو جانا تھا۔ لڑکا بہت بھلا مل گیا تھا۔سرکاری نوکری کرنے والا ،لین دین سے دور۔بس ایک فرمائش کر ڈالی تھی کہ باراتیوں کی ٹھیک سے خاطر داری ہونی چاہیے۔منو ہر سنگھ نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی حال میں کی تھی۔ خود ایک معمولی کلرک، بے حد ایماندار، قرض میں ڈوبے ہوئے تھے۔ریما ان کی تیسری اور سب سے چھوٹی لڑکی تھی۔

پہلی دو بیٹیوں کی شادی میں گاؤں والوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جس سے جو کچھ بن پڑا، کیا تھا۔ اب ایسے میں منو ہر سنگھ کس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے۔ لڑکے نے کچھ نہیں مانگا تھا لیکن دوسرے داماد کو جو کچھ دیا گیا تھا، اتنا نہ بھی سہی لیکن خالی ہاتھ تو نہیں بھیج سکتے تھے بیٹی کو۔ ان سے جو ہو سکا ریما کے لیے کر بھی دیا تھا۔ مگر لڑکے نے کچھ نہ مانگ کر انھیں زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ کیونکہ منو ہر سنگھ لالچی لوگوں کو ایک دم پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر جو ایماندار ہو، لالچ سے دور ہو،

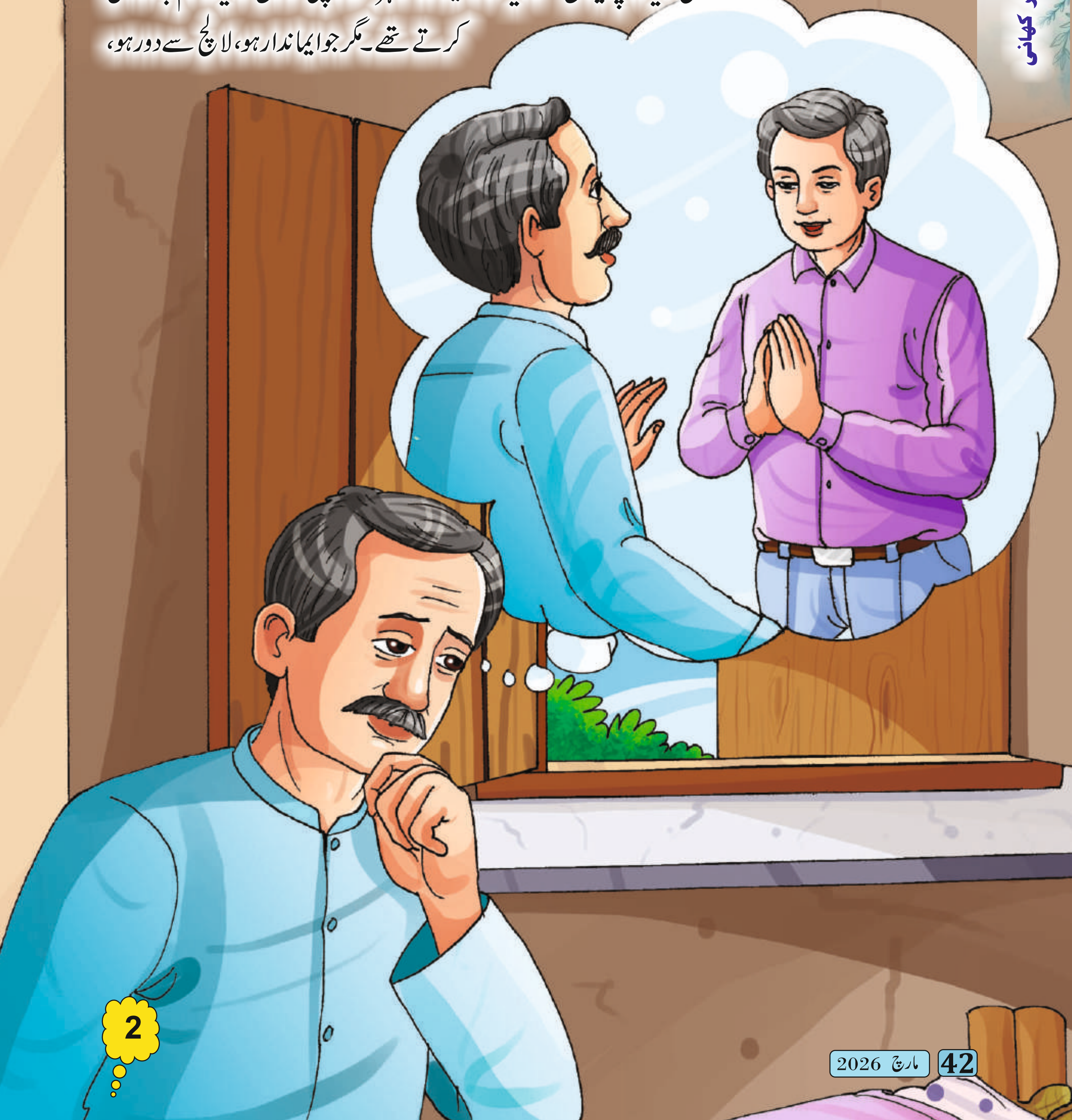

اس کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہتے تھے۔ باراتیوں کو کوئی شکایت نہ ہو۔ ابھی ان کے لیے یہی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ بہت کوششوں کے بعد اس کام کے لیے کچھ روپے جمع کر پائے۔ مگر قیمت کا پتہ لگا یا تو کانپ اٹھے۔ اتنے کم روپے میں تو سبھوں کو معمولی ناشتہ بھی نہیں کروایا جا سکتا تھا۔ منوہر سنگھ بہت کچھ سوچ کر پسینے سے شرابور ہو گئے۔ بس دو ماہ پہلے کی بات ہے۔ رام کرپال کی بیٹی کی بارات اسی لیے لوٹ گئی تھی کہ باراتیوں کا سواگت ٹھیک سے نہیں ہو سکا تھا۔ لڑکے نے کوئی شرط نہیں رکھی تھی ۔ وہ اپنی عزت کے لیے سسرال والوں سے

3

باراتیوں کی بہترین آؤ بھگت چاہتا تھا۔ ایک طرح سے ان کا سوچنا بھی غلط نہیں تھا۔ مگر اسے لڑکی والوں نے گمبھیرتا سے نہیں لیا اور اونے پونے سب کچھ کرنے کے چکر میں لڑکے والوں کا ایمان تک کر ڈالا۔ پھر کیا تھا، مونچھ کی لڑائی ہو گئی۔ اور بارات واپس چلی گئی۔ مگر یہ صدمہ لڑکی سہہ نہیں پائی اور جب رات میں سب سو رہے تھے تو گھر کے کنویں میں کود کر اپنی جان دے دی۔

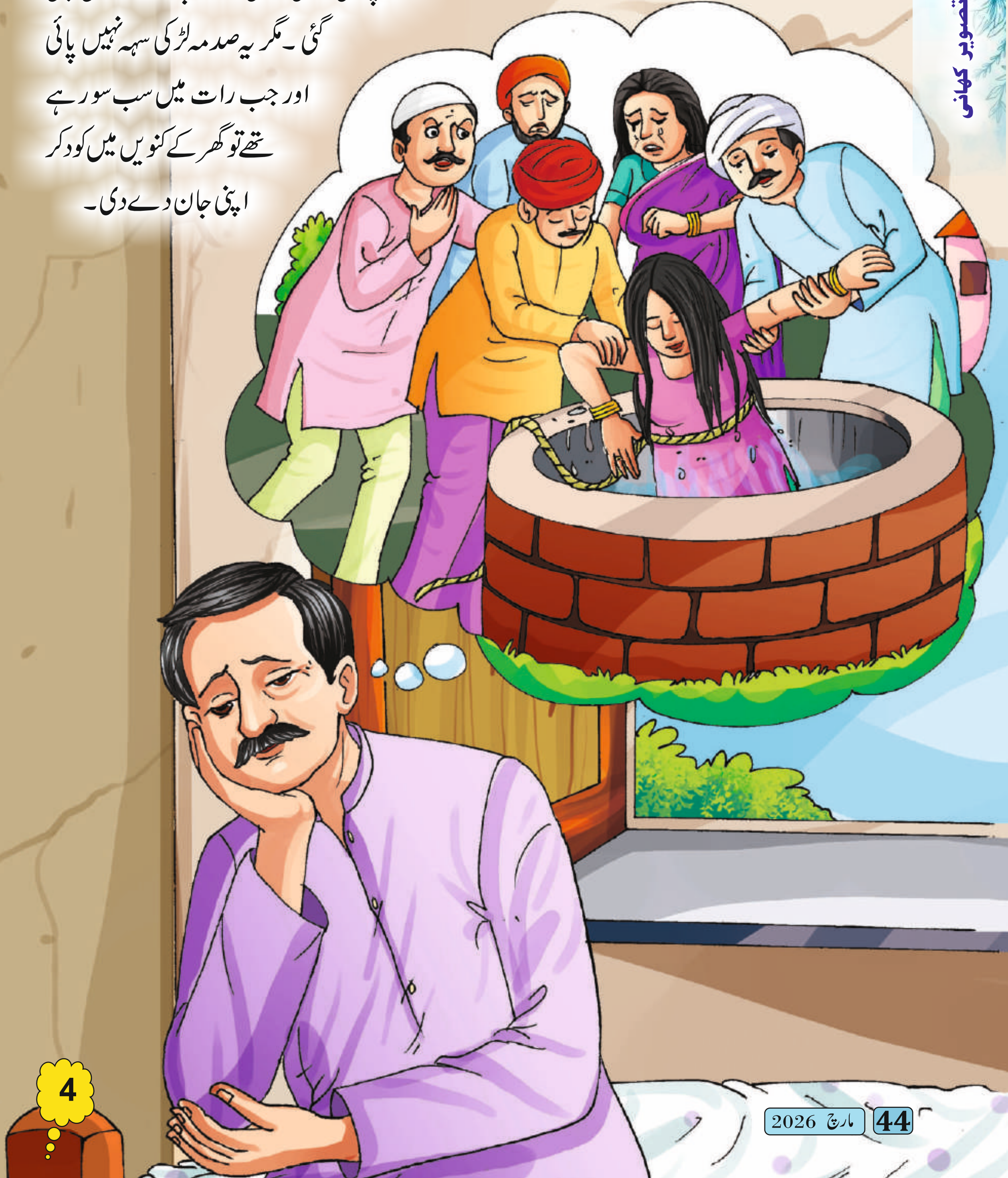

منوہر سنگھ ایسا سوچ کر تھر تھر کانپنے لگے۔ سوچا لڑکے والوں کو جا کر کہہ دیں کہ ہم آپ کی خواہش پوری نہیں کر سکتے۔ مگر یہ بھی بہت برا ہوگا۔ کیونکہ سبھی جان چکے تھے۔ پیشگی مبارک باد بھی مل چکی تھی۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہر طرف شادی کا ماحول بن چکا تھا۔ قرض میں ڈوبے منوہر سنگھ کو پھر یہ خیال آیا کہ شیخ جمعراتی کے پاس جا کر اپنا دکھڑا سناتے ہیں، کیونکہ اس کی ایسی حیثیت ہے کہ بیس پچیس ہزار کا انتظام کر سکتا ہے۔ ڈر یہ تھا کہ وہ بلا کا کنجوس مشہور تھا۔ اب تک ایک پائی کسی کو دیتے ہوئے نہ دیکھا نہ سنا گیا تھا۔ منوہر

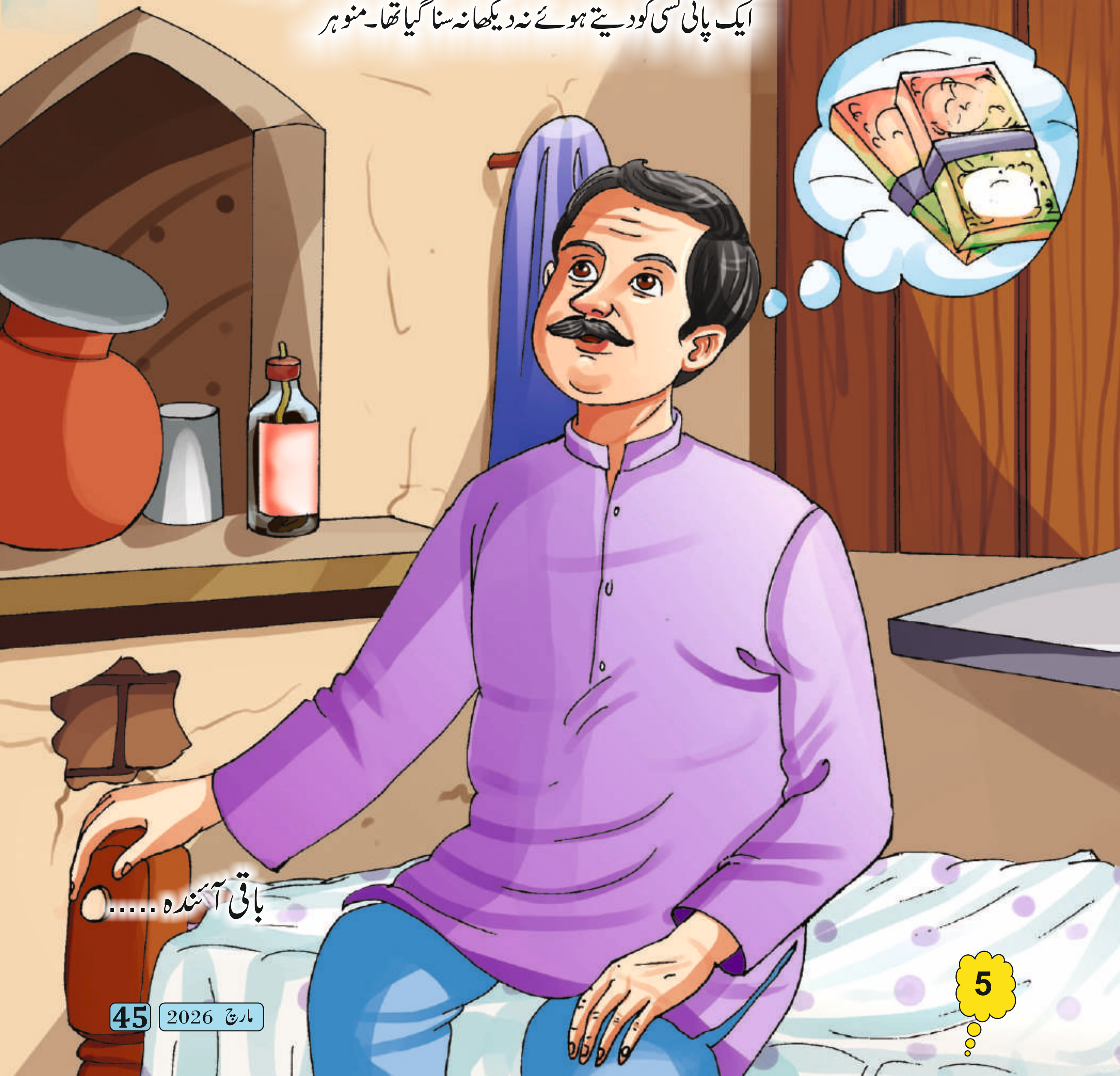

باقی آئندہ.....

وسیم سعید

کتب خانے اور مطالعے کی تہذیب

پیارے بچو! اگر ہم مستند اور معتبر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اُس تخلیق شدہ کتاب کے مصنف کے دماغ میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اُس کی تحریر سے لطف اندوز ہونے لگتے ہیں، بھلے ہی وہ ہزاروں سال قبل اس دار فانی سے رخصت ہو چکا ہو۔ صدیوں کا فاصلہ طے کرنے کے باوجود بالکل واضح الفاظ میں ہم اُس کے ساتھ محو گفتگو ہو جاتے ہیں اور وہ ہم سے مخاطب ہوتا چلا جاتا ہے۔ فن تحریر شاید انسان کی سب سے بڑی تخلیق ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے جانے انجانے طور پر منسلک کر دیتی ہے، جو ایک دوسرے کو جانتے تک بھی نہیں۔ کتابیں ہمیں مختلف دور کے باشندوں سے روشناس کرا دیتی ہیں۔ کتابیں وقت کی زنجیروں کو توڑ دیتی ہیں۔ دور حاضر کی لائبریریوں اور کتب خانوں کی الماریاں آج بھی ایسے باکمال انسانوں کی تحریروں سے بھری پڑی ہیں۔ تصور کریں کہ اگر علم صرف زبان کے ذریعے ایک دوسرے میں منتقل ہوتا تو ہمیں اپنے ماضی کے بارے میں کتنا کم علم ہوتا اور ہماری ترقی کی رفتار کتنی سست ہوتی۔ ہر ترقی کی رفتار اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ ہمیں جو بتایا گیا ہے، وہ کس حد تک درست ہے۔ یہ ہمیں کتابوں کے مطالعے سے ہی پتہ چلتا ہے۔ زبانی قدیم علوم لوگوں تک پہنچتے پہنچتے بدل جاتے ہیں اور آخرکار ضائع ہو جاتے ہیں۔

پیارے بچو! کتابیں ہمیں وقت کے مطابق سفر کرنے کے قابل بناتی ہیں۔ کہکشاں میں موجود تمام ستاروں و سیاروں اور تاریخ کے سارے عظیم ذہنوں اور قابل اکرام استادوں سے ہمارے رشتے کو مضبوط کرتی ہیں یہ لائبریریاں اور انسانی نسل کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردار بھی ادا کرتے ہیں یہ کتب خانے۔ ہماری تہذیب کی صحت، ہمارے شعور کی گہرائی اور مستقبل کے بارے میں تجسس کا امتحان اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ ہم اپنی لائبریریوں کو کیسے رکھتے ہیں۔ کتابوں کی بدولت ہی ہم بآسانی قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں جان لیتے ہیں۔ یقیناً کتابیں علوم اور معلومات کا خزانہ ہوتی ہیں۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ 'ایک آدمی دس کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے تو دس ہزار میل کا سفر کر لیتا ہے'۔ ایک عظیم دانشور کا کہنا ہے کہ 'اچھی کتابیں وہ نہیں جو ہماری بھوک کو کم کر دے بلکہ اچھی کتابیں وہ ہیں جو ہماری بھوک کو بڑھا دے، زندگی کو جاننے کی بھوک'۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ 'وحشی زمانوں کو چھوڑ کر دنیا میں انسانوں سے زیادہ کتابوں نے حکومت کی ہے'۔: جین پال (Jean

Paul) کا کہنا ہے کہ ’’کتابیں ایک طویل ترین خط ہے جو دوست کے نام لکھا گیا ہو‘‘۔ نو والس (Novalis) نے کہا کہ ’’کتابوں سے بھری ہوئی لائبریری ایسی جگہ ہے جہاں ہم ماضی اور حال کے دیوتاؤں سے آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں۔:

کتب خانے ذہن اور روح کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ اس لیے ہمارے ملک میں تعلیم کے عطیے کو بہترین تحفہ مانا گیا ہے۔ کسی بھی ملک کی معاشی، صنعتی، سائنسی اور تعلیمی ڈھانچوں کی ترقی میں کتب خانوں کی شراکت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا‘‘۔

آج طباعت کے میدان میں بے مثال انقلاب برپا ہونے کی وجہ سے کتابوں کی رسائی عام لوگوں تک آسان ہوگئی ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے میں کسی حد تک کمی کا احساس ہوتا ہے۔

بھارت رتن معمار آئین بابا صاحب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کا قول ہے کہ ’’اگر آپ کے پاس دو روپے ہیں تو ایک روپے کی روٹی اور ایک روپے کی کتابیں خریدیں، کیونکہ روٹی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے تو کتابیں زندگی گزارنے کا درس دیتی ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان کی طرح کتابیں بھی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہیں۔‘‘ اس قول سے یہ سمجھا اور اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کی زندگی میں کتابیں کتنی اہمیت کی حامل ہیں۔ اچھی کتابیں پڑھنا اچھا مشغلہ ہے۔ اس لیے کتابوں کے تئیں شوق و ذوق، دلچسپی و انہماک کا جذبہ پیدا کرنے، ساتھ ہی ساتھ کتابوں کا ادب واحترام کرنے کے لیے پوری دنیا میں 23 اپریل کو ہر سال عالمی یوم کتاب منایا جاتا ہے۔ اس دن اساتذہ، مصنّفین، پبلشرز، لائبریرین، تمام تعلیمی اداروں، نجی تنظیموں، میڈیا اور کارپوریٹ کے ذریعے عالمی سطح پر مختلف قسم کی تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان تقریبات میں مصنفوں، ناشروں اور نمایاں کتابوں کو بک پبلشنگ ایوارڈز دیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ہند نے ہر سال 23 اپریل کو عالمی کتاب منانے کا اعلان کیا تھا۔

پیارے بچو! بچپن میں ہم دادا، دادی، نانا اور نانی سے کہانیاں سنتے تھے، اسکول میں جانے پر درسی و نصابی کتابوں کے ساتھ ساتھ کہانیوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، لیکن موجودہ دور کی پچھلی دو دہائیوں میں کمپیوٹر، لیپ ٹاپ ، اسمارٹ فون، اسمارٹ ٹی وی، انٹرنیٹ اور تفریح کے دیگر لوازمات کے تئیں بڑھتی دلچسپی اور لگاؤ کے باعث کتابوں سے دلچسپی قدرے کم ہوگئی ہے۔ کتب بینی کے لیے اقدامات کرنا آج وقت کی اشد ضرورت ہے۔ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آج والدین کو خود اپنے اندر مطالعے کا شوق پیدا کرکے ایک مثال قائم کرنا ہے۔ اپنے حلقۂ احباب میں اچھی کتاب کا ذکر کرکے، مطالعہ وتبصرہ اور تجزیہ کرکے شوق و ذوق کو ابھارنا چاہیے۔ ہمارے اشاعتی اداروں کو بھی وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے معیاری اور کم داموں والی کتابیں شائع کرنے پر غور کرنا چاہیے۔ ■

Waseem Sayeed
Librarian, Mohammad Ali College
of Education (B.Ed)
Kamptee-441001 (Maharashtra)
Mob.: 7620594269
waseemsayeed77@rediffmail.com

محمد انیس الرحمن خان

ہندوستان انڈر 19 کرکٹ ٹیم کی شاندار فتح

انڈر 19 کرکٹ ورلڈ کپ 2026، زمبابوے اور نامیبیا کی میزبانی میں کھیلا گیا، جس میں ہندوستان، بنگلہ دیش، یو ایس اے، زمبابوے، پاکستان، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، جاپان، نیوزی لینڈ، سری لنکا، آسٹریلیا، ویسٹ انڈیز، افغانستان، جنوبی افریقہ اور تنزانیہ جیسی 16 ٹیموں نے حصہ لیا۔

ان میں ہندوستان، افغانستان، آسٹریلیا اور انگلینڈ کی ٹیمیں سیمی فائنل میں پہنچیں جہاں آسٹریلیا کا انگلینڈ سے اور ہندوستان کا افغانستان سے مقابلہ ہوا، جن میں ہندوستان اور آسٹریلیا کی ٹیموں نے فائنل میں اپنی جگہ مستحکم کی۔

فائنل میں ہندوستان نے 9 وکٹ پر 411 رن بنایا جبکہ انگلینڈ 40.2 اوور میں صرف 311 رن ہی بنا پائی، اس طرح ہندوستان نے انگلینڈ پر 100 رن سے شاندار فتح حاصل کی، ہندوستان نے یہ خطاب چھٹی مرتبہ اپنے نام کیا۔

اسی مناسبت سے بچوں کی ترغیب کے لیے کھیل/کھلاڑی کے تحت ایک خصوصی تحریر شامل کی جارہی ہے (ادارہ)

کھیل کی دنیا میں فتوحات آتی جاتی رہتی ہیں، مگر کچھ کامیابیاں تاریخ میں نقش ہو جاتی ہیں۔ انڈر 19 سطح پر عالمی کپ جیتنا اس لیے بھی اہم ہے کہ یہاں وہ کھلاڑی میدان میں اترتے ہیں جو کل قومی ٹیم کی ریڑھ کی ہڈی بننے والے ہیں۔ اس سطح پر کارکردگی نہ صرف انفرادی صلاحیت کا امتحان ہوتی ہے بلکہ پورے نظام، کوچنگ ڈھانچے اور ادارہ جاتی معاونت کی کامیابی کا پیمانہ بھی۔

ہندوستانی ٹیم نے اس ٹورنامنٹ میں جس اعتماد، حکمت عملی اور نظم وضبط کا مظاہرہ کیا، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ملک میں نوجوان ٹیلنٹ کی آبیاری سنجیدگی سے کی جا رہی ہے۔ بیٹنگ لائن کی مضبوطی ہو یا بولنگ اٹیک کی کاٹ ہر شعبہ ایک مربوط منصوبہ بندی کا عکس دکھاتا تھا۔

ہندوستان میں کرکٹ کا سفر برطانوی عہد سے شروع ہوا، مگر آزادی کے بعد اس کھیل نے قومی شناخت کی صورت اختیار کر لی۔ 1983 کا وہ تاریخی لمحہ جب ہندوستان نے سینئر عالمی کپ جیتا، ملک میں کرکٹ کے لیے ایک انقلاب ثابت ہوا۔ اس کے بعد گلی کوچوں میں کھیلنے والے بچوں کی آنکھوں میں بھی عالمی میدانوں کے

خواب بسنے لگے۔

وقت کے ساتھ نوجوانوں کے لیے عالمی پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کی گئی اور یوں World Cricket Under 19 جیسے مقابلے نے جنم لیا۔ اس ٹورنامنٹ نے دنیا کو کئی عظیم کھلاڑی دیے، اور ہندوستان اس میں سب سے زیادہ کامیاب ٹیموں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ تسلسل محض اتفاق نہیں بلکہ ایک مضبوط ڈھانچے کا نتیجہ ہے۔

ہر کامیابی کے پیچھے بے شمار ان دیکھے دن اور راتیں ہوتی ہیں۔ صبح سویرے پریکٹس سیشن، سخت فٹنس ٹریننگ، غذائی نظم وضبط، ذہنی مضبوطی کی مشقیں — یہ سب مل کر ایک چیمپئن ٹیم بناتے ہیں۔ نوجوان کھلاڑی اکثر تعلیمی دباؤ اور ذاتی چیلنجز کے باوجود کھیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے والدین کی قربانیاں، کوچز کی رہنمائی اور مقامی کوچنگ کیمپوں کی تربیت اس سفر کو ممکن بناتی ہے۔

ہندوستان میں کرکٹ کی باگ ڈور کے ہاتھ میں ہے، جو ڈومیسٹک سطح پر باقاعدہ ٹورنامنٹس، B.C.C.I اکیڈمیز اور ہائی پرفارمنس کیمپس کے ذریعے نوجوانوں کو عالمی معیار کی تیاری فراہم کرتا ہے۔ ریاستی سطح کے مقابلوں سے لے کر قومی کیمپس تک، ہر مرحلہ انتخاب کے عمل سے گزرتا ہے جہاں بہترین ٹیلنٹ کو آگے لایا جاتا ہے۔

کھیلوں کے فروغ میں سرکاری سطح پر بھی اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ کھیل کے میدانوں کی بہتری، اسپورٹس اسکالرشپس اور تربیتی مراکز کے قیام میں مدد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ قومی قیادت کی جانب سے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

وزیر اعظم جناب نریندر مودی اکثر نوجوان کھلاڑیوں کی کامیابیوں پر انھیں مبارکباد دیتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ علامتی حمایت دراصل اس پیغام کو مضبوط کرتی ہے کہ کھیل محض تفریح نہیں بلکہ قومی ترقی کا ایک اہم ستون ہے۔

انڈر 19 ٹیم کے کئی کھلاڑی چھوٹے شہروں اور متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ثابت کرتی ہیں کہ صلاحیت کا تعلق جغرافیے یا معاشی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ اگر مواقع میسر ہوں اور نظام شفاف ہو تو ٹیلنٹ خود راستہ بنالیتا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو اس کامیابی کو مزید بامعنی بناتا ہے۔

یہ نوجوان کھلاڑی اس نسل کی نمائندگی کرتے ہیں جو خواب دیکھنے سے نہیں گھبراتی۔ وہ جانتے ہیں کہ مقابلہ سخت ہے، مگر تیاری اور محنت اس فرق کو کم کرسکتی ہے۔

ہندوستان جیسے رنگارنگ ملک میں کھیل ایک ایسی زبان ہے جو سب کو جوڑتی ہے۔ جب ٹیم جیتتی ہے تو زبان، مذہب اور علاقائی پہچان پیچھے چلی جاتی ہیں۔ ایک مشترکہ خوشی پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب اسٹیڈیم کی گونج گھر گھر تک پہنچتی ہے اور بچے اپنے پسندیدہ کھلاڑیوں کی نقل کرتے ہوئے مستقبل کے خواب بنتے ہیں۔

کرکٹ خاص طور پر ایک ایسا کھیل ہے جو جذبات کو باندھ لیتا ہے۔ انڈر 19 ٹیم کی کامیابی نے ایک بار پھر اس حقیقت کو تازہ کیا کہ کھیل قومی یکجہتی کو مضبوط بنانے کا موثر ذریعہ ہے۔

ہندوستان کی اس جیت میں نوجوانوں کے لیے کئی

پیغام ہیں: محنت، نظم و ضبط اور ٹیم ورک ان میں بے حد اہم ہیں۔ اس کامیابی سے کئی سبق اخذ کیے جاسکتے ہیں، مثلاً محنت کا کوئی متبادل نہیں، نظم و ضبط کامیابی کی بنیاد ہے، ٹیم ورک انفرادی صلاحیت سے بڑھ کر ہوتا ہے، ناکامی عارضی ہے مگر مستقل مزاجی دائمی سرمایہ ہے۔

یہ اصول صرف کھیل ہی نہیں بلکہ تعلیم، صحافت، سماجی خدمت اور زندگی کے ہر شعبے میں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔

انڈر 19 سطح پر کامیاب ہونے والے یہی نوجوان آگے چل کر قومی ٹیم کی بھی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لیے یہ جیت مستقبل کی تیاری بھی ہے۔ آج جو کھلاڑی عالمی کپ کی ٹرافی اٹھا رہے ہیں، وہ کل سینئر ٹیم کے ستون بن سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ فتح محض ایک لمحاتی جشن نہیں بلکہ آنے والے وقت کی تیاری ہے۔

اس کامیابی سے ملک بھر کے کوچنگ سینٹرز اور اسکول کرکٹ پروگراموں کو بھی تقویت ملتی ہے۔ والدین کا اعتماد بڑھتا ہے کہ کھیل کو بطور پیشہ اختیار کرنا ایک سنجیدہ اور باوقار انتخاب ہوسکتا ہے۔

ڈیجیٹل دور میں کامیابی کی گونج پہلے سے کہیں زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر نوجوان کھلاڑیوں کی کہانیاں وائرل ہوئیں، انٹرویوز نشر ہوئے اور ان کی جدو جہد کے قصے عوام تک پہنچے۔ اس نے نوجوان نسل کو براہ راست رول ماڈل فراہم کیا۔ ایسے چہرے جو انہی کی طرح اسکولوں اور محلوں سے اٹھ کر عالمی میدان تک پہنچے۔

یہ نمائندگی نوجوان ذہنوں میں اعتماد پیدا کرتی ہے کہ کامیابی دور کا خواب نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کی انڈر 19 کرکٹ ٹیم کی فتح ایک علامت ہے— اس بات کی کہ منظّم کوشش، ادارہ جاتی حمایت اور انفرادی لگن مل کر تاریخ رقم کر سکتے ہیں۔ یہ کامیابی ہمیں یاد دلاتی ہے کہ خواب دیکھنا پہلا قدم ہے، مگر اسے حقیقت میں بدلنے کے لیے مستقل مزاجی اور قربانی ضروری ہے۔ آج اگر کوئی بچہ گلی میں بیٹ تھامے کھڑا ہے، تو اس کے سامنے ایک زندہ مثال موجود ہے کہ عالمی اسٹیج تک پہنچنا ممکن ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وہ اپنے خواب پر یقین رکھے، محنت سے جی نہ چرائے اور ہر ناکامی کو سیکھنے کا موقع سمجھے۔

یہ کامیابی صرف کھلاڑیوں کی نہیں، بلکہ کوچز، والدین، اداروں اور پورے معاشرے کی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ مستقبل میں بھی ایسے ہی لمحات نصیب ہوں تو کھیل کے میدانوں کو محفوظ، شفاف اور مواقع سے بھر پور بنانا ہوگا۔ دیہی اور پسماندہ علاقوں میں اسپورٹس انفراسٹرکچر کی بہتری، اسکول سطح پر مقابلوں کا فروغ اور باصلاحیت بچوں کے لیے اسکالرشپس اس سمت میں اہم اقدامات ہوسکتے ہیں۔

■

Mohd Anis ur Rahman Khan
Ground Floor F - 11/13
Street No. 6/6, Jogabai Ext.
Jamia Nagar, - 110025,New Delhi
Mob No: 7042293793
anis8june@gmail.com

خلا کا ایک سیاہ ستارہ

شمیم مدنی

بچو! ہمارے تمھارے سروں پر رات کی تاریکی میں چمکتے چاند کے ہمراہ بے شمار چھوٹے بڑے چمکدار ستاروں کا جھرمٹ دکھائی دیتا ہے۔ انھی میں کا ایک سورج بھی ہے جو اپنی چمک سے دن کو دن بناتا ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی رات کے اس نظارے نے انسانی دماغ کو حیران و پریشان کر رکھا تھا۔ مگر انسان بہرحال انسان ہے جس کو خدا نے عقل کی نعمت سے نوازا ہے۔ وہ چپ نہیں بیٹھا۔ دماغ کے گھوڑے دوڑاتا رہا۔ کہتے ہیں کی فونیقیوں نے بہت پہلے دنیوی علوم میں اس عقلی گھوڑے کی مدد سے کسی حد تک کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ اس معاملے میں بہت بخیل ثابت ہوئے۔ حاصل ہوئے علوم کو چھپا کر رکھا۔ نتیجتاً وہ سب انھی کے ساتھ دفن ہو گئے۔ پھر یونانی اس میں آگے آئے۔ پھر ان کے ساتھ رومی، ایرانی، ہندی اور عرب بھی شامل ہو گئے اور ان علوم کی آبیاری کی۔ چنانچہ سب نے مل کر اس حقیقت کو سمجھنے اور معمے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ ان علوم میں ایک علم، علم الافلاک (Space Science) بھی تھا جس کے ذریعے مفکروں اور سائنس دانوں نے اس کائنات کے اسرار و

رموز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جس میں ایک راز اس سیاہ ستارے Black Hole کا بھی ہے۔

بلیک ہول کے بارے میں کچھ جاننے سے پہلے ان ستاروں کے جھرمٹ کو بھی سمجھیں جن کے درمیان یہ سیاہ ستارہ پایا جاتا ہے۔ ستاروں کے جھرمٹ کو کہکشاں (Galaxy) کہتے ہیں۔ ایک کہکشاں جس میں ہمارا موجودہ سورج بھی ہے بہت وسیع و عریض ہے۔ اتنی وسیع کہ اس کنارے سے اس کنارے تک پہنچنے میں ماہرین کے بقول 45 لائٹ ایرس درکار ہوتے ہیں۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ روشنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے چل کر ایک سال میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اس کو ایک Light year کہا جاتا ہے۔ یعنی:

1 year x velocity of light/second

= 60 x 60 x365 x 300,000km

= 9,460,800,000,000km = One light year

واضح رہے کہ 9460.8 بلین کلومیٹر کا ایک نوری سال (Light Year) ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی حقیقت سامنے آچکی ہے کہ کہکشائیں ایک نہیں بلکہ سیکڑوں ہیں۔ جن میں کروڑوں ستارے اور سیارے اپنی اپنی مدار پر گردش کناں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کہکشاؤں میں اس طرح کے بہت سے سیاہ دھبے ہوں گے یا ہو سکتے ہیں، حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ہماری کہکشاں میں ایک ایسا ستارہ دیکھا گیا ہے جو تاریک تو نہیں دھندلا ضرور ہے۔ اس میں وہ چمک نہیں جو دوسرے ستاروں میں دیکھی جاتی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی دیکھا جائے کہ آخر ان تمام کہکشاؤں پر مشتمل اس کائنات کی پیدائش کیسے ہوئی؟ اس کا خالق کون ہے؟ ہے بھی کہ نہیں؟ یہ سب کیسے وجود میں آگیا؟ مختلف نظریات اور مفروضات سامنے آتے گئے۔ بلآخر بگ بینگ (Big Bang) کا نظریہ پیش کیا گیا جس پر سائنسدانوں نے کسی حد تک اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق خلائے بسیط میں یہ سب کچھ ایک نقطے میں محفوظ تھا کہ اچانک کسی وجہ سے اس میں دھاکہ ہوتا ہے اور یہ ساری کائنات وجود میں آجاتی ہے۔ وجود میں آنے کے بعد موجودہ حالت تک پہنچنے میں معلمین فلکیات کے بقول کم از کم دس ہزار سیب ئیس ہزار ملین برس لگے ہوں گے۔

اس سلسلے میں کوپرنیکس (1514) نے کچھ آنکنے کی کوشش کی تھی کہ سورج زمین کے گرد چکر نہیں لگاتا بلکہ زمین ایسا کرتی ہے۔ مگر چرچ کی مذہبی عدالتوں کے ڈر سے وہ چپ رہا۔ تقریباً ایک صدی کے بعد گیلیلیو نے کوپرنیکس کی تائید کردی۔ نتیجتاً اس کو چرچ کا عذاب جھیلنا پڑا۔ آسمانوں میں کیا ہے اس کو تو پہلے ننگی آنکھوں سے دیکھا جاتا تھا مگر گیلیلیو کے ٹیلی اسکوپ (1609-10AD) نے مطلع صاف کردیا۔ اس نے ٹیلی اسکوپ کے ذریعے فضائے بسیط کا جائزہ لے کر اعلان کیا کہ یہ ہزاروں لاکھوں چھوٹے بڑے ستاروں اور سیاروں کا جھرمٹ ہے جس کو کہکشاں (Galaxy) کہا گیا۔ اس کی ان باتوں سے چرچ ناراض ہو گیا اور اس کو چرچ کی مذہبی عدالت سے سزا دلوا کر گھر ہی میں قید کر دیا گیا جہاں کچھ دنوں بعد اس کی بینائی جاتی رہی۔ اسی حالت میں

اس کی موت واقع ہوگئی۔

وقت گزرتا گیا۔ ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ہوائی جہاز، میزائل اور سیٹیلائٹ کا زمانہ آ گیا جن کے ذریعے آسمانوں کی سیر ممکن ہوسکی۔ ٹیلی اسکوپ کی بینائی میں اضافے سے آسمان اور بھی صاف نظر آنے لگا اور نیل آرم اسٹران (Neil Armstrong) 20 جولائی 1969 کے دن چاند پر اترنے میں کامیاب ہوگیا اور یہ سب ان سائنٹفک اداروں مثلاً US کے NASA نیز روس، چین، برطانیہ، فرانس وغیرہ کے ریسرچ سینٹرز سے منسلک سائنسدانوں کی مسلسل اور انتھک محنت کے سبب ممکن ہوسکا۔ بھارت کا سائنٹفک ادارہ ISRO بھی پیچھے نہیں رہا۔ اس نے بھی 2023 کی اپنی چندریان مہم میں اڑان بھر کر اس میدان میں اپنی موجودگی کا سبھوں سے اعتراف کروالیا۔

ماہرین افلاک کہکشاں میں ایک بڑے اور جسیم (Giant) ستارے کی موجودگی پر تو متفق تھے مگر اس کی صحیح حقیقت کا اندازہ نہیں لگا پا رہے تھے۔ مگر 2019 میں پہلی مرتبہ ارتھ سائز ہورائزن ٹیلی اسکوپ (EHT) کے ذریعے ایسے ہی ایک جسیم سیاہ ستارے کا (جس کو اندھا ستارہ بھی کہا جا سکتا ہے) پتہ چلا تھا۔ جس کی تصدیق ماہرین فلکیات کی ایک بین الاقوامی ٹیم نے 2022 میں کر دی۔ اس ٹیم نے ہماری کہکشاں کے مرکز میں پائے گئے سجیٹیریس اے (Sagittarius A) نامی انتہائی بڑے بلیک ہول کی موجودگی کا ثبوت پیش کر دیا۔ ان کے بقول بلیک ہولز خلا میں موجود وہ علاقے ہیں جن کی کشش ثقل اس قدر شدید ہوتی ہے کہ روشنی سمیت کوئی بھی چیز اس میں سے باہر نہیں نکل سکتی۔ جب ستارے ٹوٹتے ہیں تو وہ بلیک ہولز کی غذا بن جاتے ہیں۔ پریس رپورٹس کے مطابق ہارورڈ یونیورسٹی کی ماہر فلکیات سارہ ساؤ نے جرمن شہر گارشنگ میں اپنی ایک حالیہ پریس کانفرنس میں بتایا:

''ہمیں کئی عشروں سے ایک ایسے کمپیکٹ آبجیکٹ کے بارے میں معلوم تھا جو ہماری کہکشاں کے مرکز میں موجود ہے اور جس کا حجم ہمارے سورج سے بھی چالیس لاکھ گنا زیادہ ہے۔ آج اس وقت ہمارے پاس براہ راست اس بات کے ثبوت ہیں کہ یہ چیز (آبجیکٹ) ایک بلیک ہول ہے۔''

انگریزی کے لفظ Hole سے عموماً سوراخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس سے آسمان میں سوراخ کی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ سائنسدانوں نے یہاں اس سے مراد گڑھے یا غار سے لی ہے۔ یعنی ایسا غار جس میں ہر وہ چیز جو اس کے قریب جاتی ہے اس کی زبردست قوت کشش سے اس میں سما جاتی ہے۔ یہاں تک کہ روشنی کو تو وہ ہڑپ لیتا ہی ہے، اپنے اندر کی روشنی کے اخراج میں بھی مانع ہوتا ہے۔ اس طرح چمکدار ستاروں کے درمیان وہ سیہ رو ایک اجنبی ستارہ ہے۔ سفید دامن پر ایک سیاہ دھبہ۔

■

Prof. Syed Shamim Ahmad Madni
5, Cross Road, 10/A, Azad Nagar
Post: Mango
Jamshedpur-831012 (Jharkhand)
Mob.: 8969850416
shamim.madny40@gmail.com

میڈم کیوری

(1867-1934)

میڈم کیوری(Marie Curie) 1867 میں پولینڈ میں ایک کسان کے گھر میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدین نے میڈم کیوری کا نام مانیا اسکوڈووسکا رکھا۔آپ کے والد وارسا ہائی اسکول میں علم طبیعیات کے استاد تھے۔ اس طرح گھر کا ماحول کھیتی باڑی کے علاوہ پڑھنے لکھنے کا بھی تھا۔بچپن کی زندگی خوش وخرم گزر رہی تھی۔ ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں ہوئی۔ 1877 میں دس سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور مانیا پر گھر کی ذمہ داریاں آپڑیں۔اس زمانے میں پولینڈ پر پروشین فیزار نام کا ظالم حاکم حکومت کرتا تھا۔ مانیا کے والد نے اس ظالم حاکم کے خلاف آواز بلند کی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ان ساری پریشانیوں اور تکلیفوں کے باوجود مانیا نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور اپنی جماعتوں میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتی رہیں۔ 16 سال کی عمر میں مانیا نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا اور گولڈ میڈل بھی حاصل کیا۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد مانیا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھیں لیکن گھر کے حالات اور مالی تکالیف کی وجہ سے وہ یونیورسٹی نہیں پہنچ سکیں ۔ انھوں نے دولتمند لوگوں کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کیا۔اس آمدنی سے وہ گھر کا خرچ اور تعلیم کے اخراجات پورے کرتی رہیں۔ مانیا کی ایک بڑی بہن بھی تھیں۔انھوں نے علم طب میں ڈگری حاصل کی۔اوراسی شعبے سے تعلق رکھنے والے لڑکے سے شادی بھی کر لی۔ مانیا کی عمر اس وقت 23 سال کی تھی۔ ان کی بہن نے بانیا کو مالی امداد دینا شروع کی۔اس طرح اب حالات ایسے ہوگئے کہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ مانیا کی دلی خواہش پوری ہونے کا اب وقت آیا تھا۔اب ان کا سارا وقت کتابوں کے مطالعے میں صرف ہوجاتا تھا۔وہ تنہا رہتی اور تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ان کے استاد مانیا کی بہترین کارکردگی پر بہت خوش ہوتے اور ان کی تعریف بھی کیا کرتے تھے۔ مانیا نے 26 سال کی عمر میں علم طبیعیات میں ماسٹر ڈگری

حاصل کی ۔ اور ساتھ ہی علم ریاضیات میں بھی ماسٹر ڈگری حاصل کی۔

مانیا کی زندگی میں ایک نیا موڑ اس وقت آیا جب ان کی ملاقات پیری کیوری ایک سائنسداں سے ہوئی۔ان دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا اور دونوں سائنسداں تحقیقی کاموں میں مصروف بھی ہو گئے۔ اس طرح مانیا اسکوڈوو سکا میری کیوری بن گئیں۔ پیری کیوری پیرس کے اسکول آف کمیسٹری اینڈ فزکس کے سربراہ تھے۔ آپ نے پیزو الیکٹری سٹی پر تحقیق کی تھی۔ دونوں سائنسدانوں کے شوق تحقیقی کاموں میں تھے۔ اس لیے آپ دونوں نے ابتدا میں بیکیورل شعاعوں پر کام شروع کیا۔ میری کیوری نہ صرف گھر کے کاموں میں مصروف رہتیں، بلکہ علم طبیعیات میں ڈاکٹریٹ کے لیے بھی کام کیا کرتی تھیں۔ تحقیق کے دوران انھوں نے تھوریم دریافت کیا۔ جو بیکورل شعاعیں خارج کرتی تھیں۔ ان سائنسدانوں نے اس عمل کو سب سے پہلے دریافت کیا اور ریڈیو ایکٹی وٹی (Radioactivity) کا نام دیا۔ اسی دوران انھوں نے یورینیم سے شعاعوں کے خارج ہونے کی تصدیق بھی کی۔

میڈم کیوری نے گھر کے گوشے میں ایک تجربہ گاہ بھی بنائی۔ اس تجربہ گاہ میں ان دونوں سائنسدانوں نے آکسائڈ آف یورینیم (پچ بلینڈ) پر تحقیقی کام کیا۔ آکسائد آف یورینیم کافی مہنگا ملتا تھا اس لیے ان سائنسدانوں نے رسیزی ڈیو آف پچ لینڈ پر کام کرنا شروع کیا۔ ان دونوں سائنسدانوں نے رات دن محنت کی اور چار سال کی مستقل محنت کے بعد پولونیم اور ریڈیم جیسی طاقتور اشیا کی دریافت کی۔ اس دریافت سے دونوں سائنسدانوں کو عالمی شہرت ملی۔ نوبیل کمیٹی نے میری کیوری اور پیری کیوری کی اس اہم دریافت کو سراہا اور ان دونوں کو سال 1903 کے مشترکہ نوبیل انعام سے نوازا۔ ان کی اس اہم دریافت کی دھوم دنیا بھر میں گونج اٹھی۔ اس کا استعمال ان بیماریوں میں بھی کیا جا سکا جو لا علاج تھیں۔ ریڈیم جیسی اشیا کا استعمال کینسر جیسے موزی مرض میں بھی کیا جاتا ہے۔ ان سائنسدانوں نے اپنی اس دریافت کو پیٹینٹ نہیں کرایا اور انسان کی فلاح و بہبود کے لیے اور ان کی جسمانی پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے استعمال کیے جانے کی کھلی اجازت دی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ سائنسداں

اپنی اس دریافت کو پیٹینٹ کراتے تو وہ بھی دنیا کے مالدار ترین لوگوں میں شمار ہو سکتے تھے۔ ان سائنسدانوں کو سوربون اکیڈمی آف سائنسیز کے رکن کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ ان کی صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور فروغ سائنس کے لیے اس اکیڈمی نے مزید تحقیق کے لیے اعلیٰ پیمانے کی جدید طرز کی تجربہ گاہ بھی فراہم کی۔ زندگی بہتر اور تحقیق میں مصروف تھی کہ اچانک پیری کیوری کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ میری کیوری کے لیے یہ حادثہ برداشت کے باہر تھا۔ انھوں نے پھر بھی اپنے تحقیقی کاموں کو جاری رکھا۔ اور ریڈیم کا استعمال ٹیومر اور کینسر جیسے امراض میں جاری رکھا۔ میری کیوری کو نوبیل کمیٹی نے 1911 کے لیے ایک بار پھر علم کیمیا کے لیے نوبیل انعام سے نوازا۔ شاید دنیا میں ایسے سائنسداں کم ہی ہوں گے جنھیں زندگی میں دو بار نوبیل انعاموں سے نوازا گیا ہو۔ 1914 کی عالمی جنگ میں میری کیوری نے فوجیوں کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کی۔ زندگی میں مسلسل کام کاج اور تحقیق اور ریڈیو ایکٹیو مادوں کے بیچ کام کرنے کی وجہ سے میری کیوری کے جسم پر برے اثرات پڑنے لگے۔ ان کے اجزائے رئیسہ پر مسلسل افشاں سے خرابیاں پیدا ہوئیں اور وہ برابر بیمار رہنے لگیں۔ 67 سال کی عمر میں 1934 کو میڈم کیوری کا بھی انتقال ہو گیا۔ دنیا اور سائنسی برادری نے ایک اہم سائنسداں کھو دیا۔ ان کی سائنسی خدمات اور تحقیقات دنیا بھر میں سراہی گئیں۔

اعلیٰ پیمانے کی سائنسداں ہونے کے باوجود انھوں نے زندگی کے آخری سفر میں تحقیقی کاموں کو جاری رکھا۔ ان کی اس تحقیق سے انسانی جسم کی تکلیفوں کو رفع کیا جانا ممکن ہو سکا۔ میڈم کیوری کا نام تمام مشہور سائنسدانوں کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ جنھوں نے اپنی پوری زندگی سائنس کے فروغ میں صرف کی۔ یہ دنیا ان کو کبھی بھی بھلا نہ سکے گی۔

■

ماخذ: عظیم سائنسداں (مع ترمیم واضافہ)
مصنف: احرار حسین، تیسری طباعت: 2016
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جواب

1. چھ مرتبہ	2. اتراکھنڈ	3. چین	4. 14 اپریل 1891
5. متھلانچل (بہار)	6. واشنگٹن	7. نئی دہلی	8. 1868
9. پنڈت مدن موہن مالویہ	10. سنیما سے	11. انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ	12. بنارس
13. لکھنؤ	14. رائل چیلنجرز بنگلور	15. ہاکی سے	16. جینیوا
17. اسپیشل انٹنسو ریویژن	18. کانپور	19. 23	20. 1956

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نو عمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ درج ذیل کتاب پر یہ تبصرہ بھی ورکشاپ میں شامل ایک طالب علم کی کاوش ہے، جسے بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔(ادارہ)

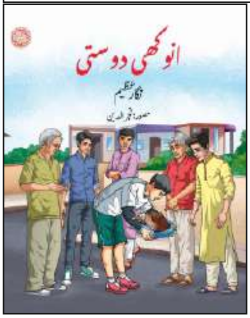

انوکھی دوستی

مصنف: نگار عظیم

صفحات: 16　　قیمت:25　　سنہ اشاعت:2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: محمد شہباز۔ بی۔اے۔(پولیٹکل سائنس)، جامعہ ملیہ اسلامیہ

کہانی انوکھی دوست کی مصنفہ نگار عظیم ہیں۔ جیسا کہ کہانی کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی ایک خوبصورت رشتے، دوستی پر مبنی ہے۔ عام طور پر کہانیوں میں دو فرد کے درمیان دوستی کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس کہانی میں چیل اور انسان کے درمیان گہرے رشتے اور جذباتی تعلق کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کہانی کے مرکزی کردار چیل اور عدنان ہیں۔ کہانی کی شروعات میں ہی مصنف نے اس کہانی کے مرکزی کردار عدنان کی شخصیت سے قاری کو روشناس کرایا ہے کہ عدنان ایک نہایت سنجیدہ اور جذباتی سا لڑکا ہے جو متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا دل ہر مصیبت زدہ کے لیے دھڑکتا ہے اور یہ ہمیشہ پریشان حال لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ ایک روز کا واقعہ یہ ہے کہ عدنان صبح صبح جم کے لیے جاتا ہے اسی دوران اسکوٹی کے نیچے اس نے رکھی چیل کو دیکھا جس کے بدن سے خون نکل رہا تھا۔ عدنان نے بنا کچھ سوچے اور وقت برباد کیے اس کی مدد کرنے کا ارادہ کیا۔

اس نے اپنے دوستوں کو بلایا اور جلدی سے اپنی ماں سے ایک چادر مانگنے چلا گیا۔ یہ واقعہ سن کر ماں کا دل گھبرایا۔ اس نے فوراً کہا کہ چیل سے دور رہنا وہ آنکھ نوچ لیتی ہے اور بوٹی نکال لیتی ہے۔ اس واقعہ سے مصنف ماں کے دل کے حال کو خوبصورتی سے پیش کرتا ہے کہ ماں کس طرح بچوں کے لیے خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عدنان نے اپنی ماں کو تسلی دی کہ وہ بے فکر رہے اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اتنا بولتے ہی عدنان چادر لے کر چیل کے پاس آ گیا اور اس کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ اور بنا کچھ سوچے ڈاکٹر کے پاس جانے کا ارادا کیا۔ عدنان کے دوست نے اسکوٹی سنبھالی اور عدنان چیل کو پکڑ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر نے چیل کا ایک گھنٹہ علاج کیا اور واپس لے جانے کو کہا۔ اس حال میں چیل کو باہر چھوڑنا صحیح نہیں تھا اور کوئی بھی دوست اسے گھر لے جانے کو تیار نہیں تھا اس لیے عدنان نے اپنے گھر چیل کو رکھنے کا ارادہ کیا۔ عدنان نے چیل کو گھر لا کر اس کی کافی اچھی دیکھ بھال کی اور گوشت میں دوائی ملا کر اسے کھلاتا رہا۔ اس کی محنت سے گیارہ دن کے بعد چیل اڑنے لگی۔ چیل کی یہ حالت دیکھ کر اس کے گھر والے اور سبھی لوگ حیران رہ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ وقت آیا کہ چیل کو اب الوداع کہا جائے۔ اس دن عدنان نے بالکنی کا دروازہ کھول دیا۔ چیل اس کی ریلنگ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس دن چیل اڑنے کے بجائے دوبارہ عدنان کے کمرے میں آ گئی عدنان کو لگا اسے کچھ وقت اور آرام کرنے دیا جائے۔ چیل کچھ دن اور عدنان کے پاس رہی۔ چیل کا واپس گھر میں آجانا لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر کسی کے ساتھ محبت کے ساتھ سلوک کیا جائے تو چاہے وہ جانور ہو یا فرد سامنے والے کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

کچھ دن بعد پھر عدنان نے چیل کو اڑانے کے لیے بالکنی کا

دروازہ کھول دیا۔ چیل اڑ کر ریلنگ پر بیٹھی اور پھر اس نے اڑان بھری چیل اڑ کر دوسرے مکان پر بیٹھ گئی اور پھر عدنان کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کو اڑتا دیکھ دوسری چیل وہاں آ گئی اور اس چیل کے ارد گرد گھومنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ اس دوران عدنان کی آنکھوں میں آنسو تھے اس کے بعد جب عدنان کی زندگی پہلے کی طرح ہو جاتی ہے۔ پھر وہی چیل عدنان کے گھر واپس آتی ہے۔ اس دوران عدنان گھر پر نہیں تھا۔ جب عدنان کے دوست نے اس کو خبر دی کہ چیل تمہاری ریلنگ پر بیٹھی ہے عدنان جلدی سے گھر آیا اور اس نے دیکھا کے واقعی چیل وہاں تھی۔ کچھ دیر چیل وہیں رہی چیل کی آنکھیں بھی نم تھیں اور عدنان کی بھی۔ کچھ دیر چیل وہاں رہی اور پھر اپنے آشیانے کس رخ کیا۔ عدنان اسی کی طرف دیکھتا رہا اور دل میں کہا ایسے ہی وقت وقت پر آتی رہا کرو پیاری دوست۔ یہاں تک کہ چیل آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

اس کہانی کو پڑھ کر ہمیں یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ ایک نہایت خوبصورت کہانی ہے جس میں انسان کی ہمدردی اور لگاؤ کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کہانی کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا اندازِ بیان سادہ اور اثر انگیز ہے۔ اس کہانی میں خوبصورت انداز میں فرد اور پرندے کے درمیان لگاؤ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کہانی کو مصنف نے سادہ اور سلیس انداز میں بیان کیا ہے۔ اور الفاظ بھی روز مرہ کے استعمال ہونے والے ہیں۔ اس لیے یہ کہانی آسانی سے پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کہانی کو پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے سامنے پیش آنے والے منظر کو بیان کیا ہے۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ کہانی کا کردار اور پیغام بچوں کے لیے دلچسپ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مصنف نے ہر منظر کا باریکی سے مشاہدہ کیا ہے اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے یہ کہانی ایک دلچسپ کہانی لگتی ہے۔

ہر کہانی میں کچھ اچھے پہلو ہوتے ہیں، کچھ خوبیاں ہوتی اور کچھ خامیاں بھی، جس کو جاننا اہم ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس کہانی کو پڑھتے وقت قاری یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہوتا کہ آگے کیا ہوگا کیونکہ کہانی ایک قصے کو سادے طریقے سے بیان کرتی ہے جس میں دلچسپ موڑ کی کمی لگتی ہے۔

حالانکہ باقی سارے پہلو اس کہانی کے قابل تعریف ہیں۔ سادے اور آسان الفاظ میں کہانی کو بیان کرنا فرد اور پرندے کے درمیان لگاؤ کو پیش کرنا اور بچھڑنے پر دونوں کی آنکھیں نم ہونا قاری کو درد کا احساس دلاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ ذاتی طور پر مجھے عدنان کے کردار نے کافی متاثر کیا کیونکہ عدنان دوسروں کی مدد کرنے پر آمادہ رہتا تھا اور ہر انسان ہر جاندار کے لیے اس کا دل دھڑکتا ہے۔ اور جیسا کہ اس کہانی میں ذکر کیا گیا ہے عدنان نے زخمی چیل کی کس طرح مدد کی اور آخر میں اس کو قید نہیں بلکہ آزاد کیا۔ عدنان کی ان ساری خوبیوں نے مجھے کافی متاثر کیا۔

اس کے ساتھ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر انسان، پرندہ اور جانور کی ضرورت کے وقت مدد کرنی چاہیے اور پرندوں کو قید نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں سب کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہیے۔ کبھی کبھی ہمارے بہت قریبی بھی ہم سے دور ہو جاتے ہیں جس طرح چیل اور عدنان دور ہوئے، اس وقت ہمیں کافی درد ہوتا ہے، لیکن یہی زندگی کا اصول ہے کہ دنیا میں ہمیشہ ہمارے ساتھ کوئی نہیں رہتا بلکہ ہمیں اس سے جدا ہونا ہوتا ہے اور تنہا زندگی گزارنی ہوتی ہے۔

آخر میں یہی کہ یہ ایک بہت خوبصورت کہانی ہے جس میں جذباتی کشمکش بھی شامل ہے اور عدنان اور چیل کے درمیان دوستی کے ذریعے سے انسان کو ہمدرد اور مددگار بننے کی ہدایت دی گئی ہے۔

■

Md. Shahbaz
20 Futa Road , Gali No 3/46
4th Floor , Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں،اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ،ادب وثقافت،سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔(ادارہ)

1. ہندوستان نے انڈر-19 ورلڈ کپ کا خطاب کتنی مرتبہ اپنے نام کیا؟
2. پھولوں کی گھاٹی کس صوبے میں واقع ہے؟
3. شہر 'بیجنگ' کس ملک کی راجدھانی ہے؟
4. ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کب پیدا ہوئے تھے؟
5. مکھانے کی کھیتی کے لیے ہندوستان کا کون سا خطہ مشہور ہے؟
6. USA کی راجدھانی کا نام بتائیں؟
7. NCTE کا صدر دفتر کس شہر میں واقع ہے؟
8. ٹاٹا کمپنی کب قائم ہوئی تھی؟
9. بنارس ہندو یونیورسٹی (BHU) کے بانی کون تھے؟
10. دادا صاحب پھالکے ایوارڈ کا تعلق کس شعبے سے ہے؟
11. ICMR کا فل فارم بتائیں؟
12. ہندوستان کے کس شہر کی صبح مشہور رہی ہے؟
13. اکانا اسٹیڈیم کس شہر میں واقع ہے؟
14. WPL 2026 کا فائنل کس ٹیم نے جیتا؟
15. کھلاڑی میجر دھیان چند کا تعلق کس کھیل سے تھا؟
16. WHO کا صدر دفتر کس شہر میں واقع ہے؟
17. SIR کا فل فارم بتائیں؟
18. لیدر انڈسٹری کے لیے کون سا شہر مشہور ہے؟
19. ہندوستان میں کل کتنے IIT ہیں؟
20. AIIMS کا قیام پہلی مرتبہ کب عمل میں آیا تھا؟

(جواب صفحہ نمبر 56 پر ملاحظہ فرمائیں)

عالیہ کوثر محمد امین انصاری، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

ماریہ تناز معین اختر 8 ویں جماعت، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

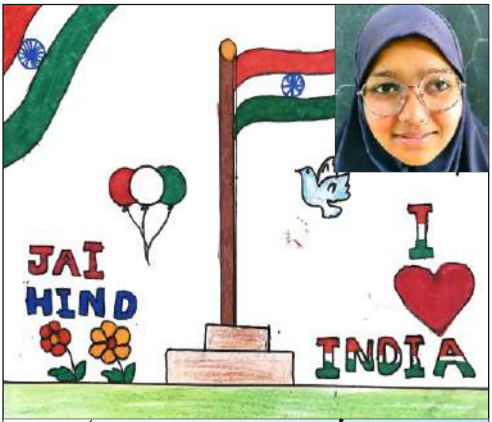

حمیرا پروین یونس خان، زی پی اردو اپر پرائمری اسکول ہپورکھیڑ، تحصیل تلہرہ، ضلع آکولہ

الفیہ بانو ظہیر الدین ساتویں جماعت، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

یسرا سحر تمیز بیگ جماعت: پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول پیپل گاؤں کالے، جلگاؤں جامود ضلع بلڈھانہ، مہاراشٹر

حبیبہ انصاری اظہر حسین بارہویں جماعت، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

ننھے فنکار

اشفین حرین شیخ سلیم جماعت: سوم، اسکول: ضلع پریشد اردو اسکول پیپل گاؤں کالے
جلگاؤں جامود، بلڈھانہ، مہاراشٹر

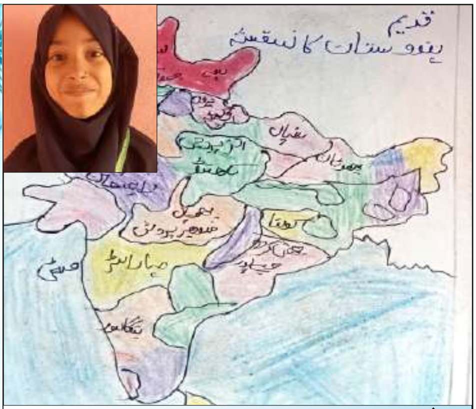

تمنا شیخ عمران جماعت 6ویں، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریرپورہ، برہان پور، مدھیہ پردیش

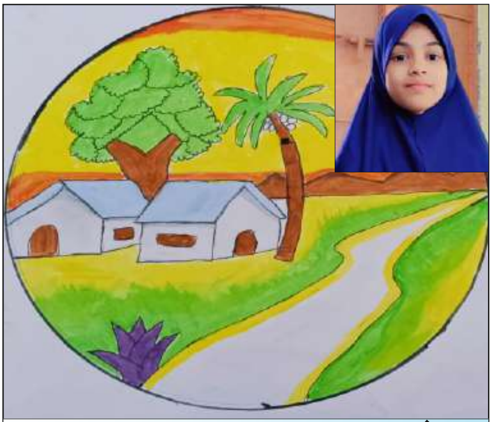

عنیزہ شیخ عمران منیار کلاس: 5ویں، اسکول: زیڈ۔پی اردو اسکول
کاج گاؤں، ضلع: جلگاؤں، مہاراشٹر

حنا فردوس کلاس: نہم، اسکول کا نام: داؤد میموریل اُردو گرلس ہائی اسکول، سیوان، بہار

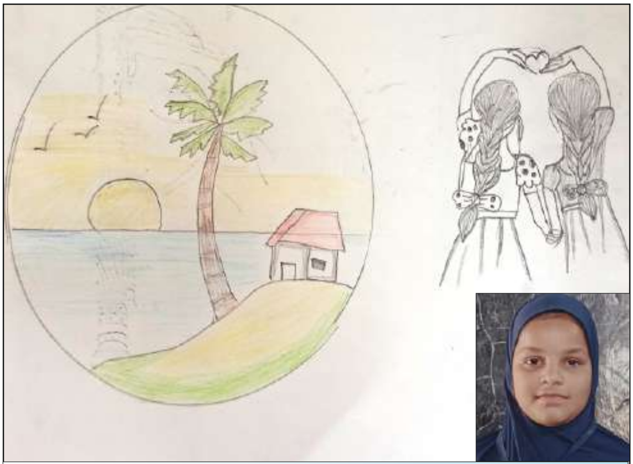

سوناکشی میٹرھے منوہر میٹرھے درجہ ششم، پی ایم شری گورنمنٹ مڈل اسکول، رائے گاؤں، ضلع برہان پور، ایم پی

میسرہ رحمت علی ولدیت: محمد رحمت علی
پتہ: سن رائز ہائی سکول، مدنگر، حیدرآباد (ٹی ایس)

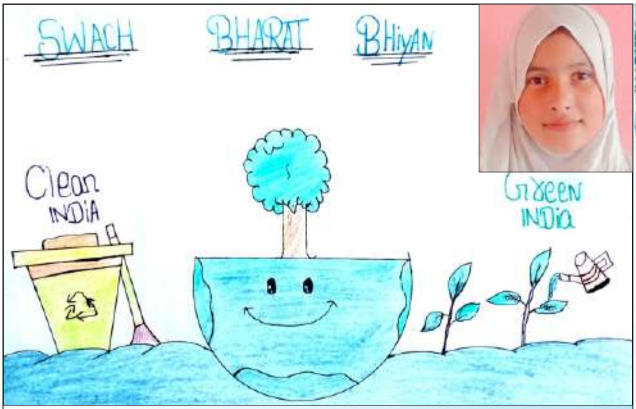

بشریٰ ناز فہیم اختر، دسویں جماعت گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول حریر پورہ برہان پور مدھیہ پردیش

عابث عثمانی، درجہ نہم۔ سینٹ ایکز یویرس اسکول رانچی

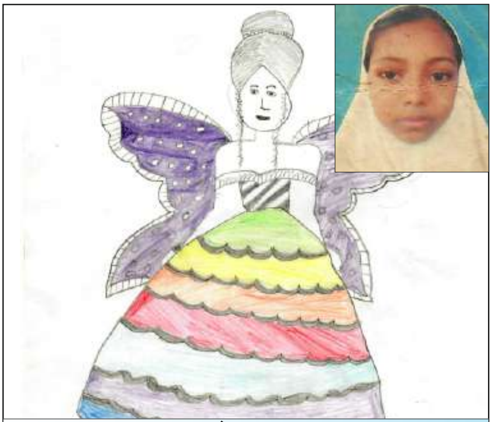

انصاری ناہید محمد کلام، جماعت پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر-6

زینت بانو اختر شیخ جماعت: پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر-6

نازیہ محبوب شیخ، جماعت: پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر-6

محمد آحنف خان، جماعت نرسری سینٹ پالس اسکول لکھنؤ

قلم کاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلم کاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلم کار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, अप्रैल 2026, वर्ष 14, अंक 04
BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2026 Vol. 14, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

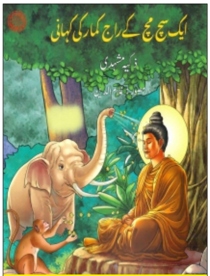

صفحات: 63 قیمت: 40 روپے

صفحات: 20 ، قیمت: 30 روپے

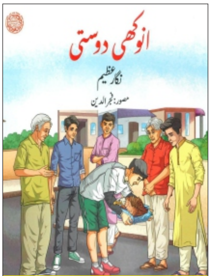

صفحات: 17، قیمت: 25 روپے

صفحات: 24، قیمت: 30 روپے

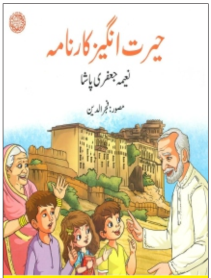

صفحات: 25، قیمت: 25 روپے

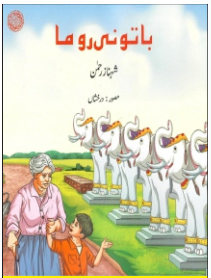

صفحات: 25، قیمت: 30 روپے

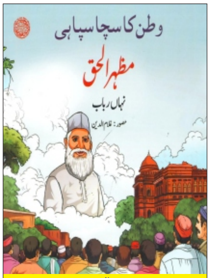

صفحات: : 33، قیمت: 40 روپے

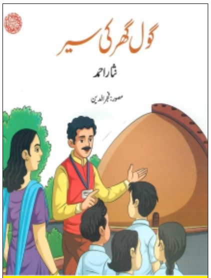

صفحات : 25، قیمت: 30 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.